٨١
سلسلۂ مطبوعات مکتبہ دائرۃ المعارف الہ آباد

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

رُوحُ البیان

1

جلد دوم

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی قدس سرہ

مکتبہ دائرۃ المعارف الہ آباد
ادارۂ معارف مصلح الامۃ الہ آباد

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

روح البیان

حصۂ اول

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتبہ

مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از

مولوی محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی الہ آبادی

ناشر

مکتبہ دارالمعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ اول)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۲۵۶ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق مئی ۱۹۹۹ء

بار پنجم : محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆......مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆......مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆......قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆......کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆......مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس، محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆......الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر، ۱۹۰۰۰۱

فہرست مضامین

مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
عرض ناشر	مولانا اقبال احمد صاحب مد ظلہ العالی (زامبیا)	۷
تعارف	شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم	۸
مختصر حالات زندگی	مولانا محبوب احمد ابن مولانا محمد قمر الزمان صاحب	۱۰
عرض مرتب	مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ	۲۱
مقدمہ	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم	۲۴
حمد	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۷
نعت	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۹
پہلا بیان	آخرت کی تجارت	۳۱
دوسرا بیان	توحید و رسالت	۹۳
تیسرا بیان	شرک کی مذمت	۱۵۱
چوتھا بیان	مقام صحابہ کرام اور ان کی خشیت الٰہی	۱۸۹
پانچواں بیان	فکر آخرت اور اس کی تیاری	۲۰۷
چھٹا بیان	دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب	۲۳۵
مجلس بیعت	از: حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۴۳
ساتواں بیان	نسخہ رضاء الٰہی	۲۴۵
چند زریں نصیحتیں	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ	۲۵۱

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

عرض ہے کہ احقر سے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم نے فرمائش کی کہ حضرت مولانا عارف باللہ شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مفید و مؤثر مجموعہ مسمی بہ "روح البیان" از سرنو جدید ترتیب و مزید عنوانات کے ساتھ بہترین کمپیوٹر کتابت سے آراستہ ہو کر شائع ہو جاتا تو لوگوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوتا، تو احقر نے اس کو بصمیم قلب قبول کیا اور اس خدمت کو انجام دینے کا ارادہ کر لیا۔

الحمد للہ آج آپ حضرات کے ہاتھوں میں اس کا حصہ اول موجود ہے جس میں مولوی محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی سلمہ کی طرف سے دو اخیر کے مواعظ کا اضافہ ہے، نیز شروع میں حمد و نعت کا بھی انہیں کی طرف سے اضافہ ہے، اس کے علاوہ مولانا محبوب احمد قمرالزمان ندوی کی طرف سے حضرتؒ کے مختصر حالات بھی درج کئے گئے ہیں، انشاء اللہ اس سلسلہ کا دوسرا اور تیسرا حصہ بھی اسی طرح مرتب کر کے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ہے، آپ حضرات سے بآسانی تکمیل کے لئے دعا کی درخواست ہے، حق جل مجدہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان مواعظ سے لوگوں کو نفع عام و تام عطا فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

محمد اقبال عفی عنہ مقیم لوساکا زامبیا

تعارف

از شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم

صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے اس لئے کہ عوام وخواص علماء وصلحاء کا رجوع آپ کی عظمت اور رفعت شان پر بین ثبوت ہے، رہے آپ کے مواعظ تو اس کے نفع و تاثیر کی شہادت میں ان اکابر امت کے تاثرات جن کا علم و عمل مسلم ہے نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

چنانچہ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی فرماتے ہیں "حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا وجود وقت کے مغتنمات میں سے ہے، جو کچھ فرماتے ہیں پوری دلسوزی کے ساتھ فرماتے ہیں اس لئے آپ کا وعظ دل میں اترتا ہے آپ کے وعظ سے دل پسیجتا ہے، روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور نرم دل والوں کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، زیادہ تر کلام اللہ کی آیتوں سے استشہاد و استناد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور مؤثر وعظ کیا ہو سکتا ہے"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی تحریر فرماتے ہیں "ایک مرتبہ پرتاپ گڈھ کی جامع مسجد میں کسی تبلیغی دورے کے موقع پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری کا بیان سنا اور کانوں کو نہیں بلکہ قلب و روح کو وہ پرانا دینی ذائقہ یاد آگیا جو اللہ والوں کے بیان میں محسوس ہوتا تھا اور

عرصہ سے دل اس کا جویا تھا''

اور محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب یوں رقم طراز ہیں ''آپ کے بیانات عجیب پُر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع و مؤثر ہوتا ہے''

یقیناً ان اکابر دین کی یہ شہادات ہمارے اطمینان و تصدیق کے لئے کافی وافی ہیں لہٰذا ان مواعظ کا حق ہے کہ ان کا بغور مطالعہ کریں اور اس پر بشوق عمل کریں نیز اس کے سننے سنانے کا اہتمام اپنے گھروں اور مسجدوں میں کریں انشاء اللہ اس سے بین طور پر نفع محسوس کریں گے۔

روح البیان حصہ اول کے تین ایڈیشن پہلے طبع ہو چکے ہیں مگر عرصہ سے ناپید ہے اور طالبین کا کسی قدر تقاضا ہوا اس لئے چوتھی مرتبہ ''مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد'' اور ''ادارہ فیض ابرار بلساڑ'' کی جانب سے طبع ہو رہا ہے، ماشاء اللہ صاحب مواعظ کے خاص مسترشد عزیزم مولانا مفتی زین الاسلام صاحب سلمہ نے اس طباعت چہارم میں تصحیح اور حسن ترتیب کا خاص لحاظ و اہتمام کیا، اسی طرح مولانا فضل محمود صاحب سلمہ اور مولانا عبد العزیز صاحب سلمہ نے عنوانات قائم کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزاء خیر مرحمت فرمائے اور ان کی سعی کو خوب ہی خوب قبول فرمائے اور ہم تمام مسلمانوں کو پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

محمد قمر الزمان عفی عنہ　　　　　　۱۵ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۲ر مئی ۱۹۹۹ء

مختصر حالات زندگی

حضرت مرشدی مولانا شاہ محمد احمد صاحب

پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر تعارف آپ کی ولادت باسعادت موضع پھولپور ضلع پرتاپ گڈھ غالباً ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں ہوئی آپ کا نام محمد احمد رکھا گیا، والد محترم کا نام نامی غلام محمد تھا، آپ کا اصلاحی تعلق اولیں زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہتے، اور ان کی بابرکت مجالس سے مستفید و مستنیر ہوتے۔

بچپن کے حالات بچپن سے ہی آپ تقویٰ وورع سے آراستہ، نماز و روزے کے پابند اور ذکر و شغل اور تلاوت کے عادی تھے، عام بچوں کے برخلاف کھیل کود سے مجتنب و محترز رہتے، اپنے ہم عمر بچوں کو جمع کر کے ان کو دینی تعلیم دینا، نماز روزے کی اہمیت کو بتانا، نیز ان کو اچھائیوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص مشغلہ تھا، گویا بچپن ہی سے آپ کے اندر سلامتی طبع اور صفات حسنہ کے جوہر ودیعت تھے، اسی وجہ سے آگے چل کر آپ کی ذات سے مسلم اور غیر مسلم سبھی کو یکساں طور پر محبت و عقیدت کا سلوک تھا، اور سب ہی طبقے کے لوگ آپ کے پاس دعا کے لئے آتے اور بیماریوں

کے لئے پانی پر دم کراتے اور تعویذ لیتے۔

تعلیم آپ نے قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں پھولپور میں حاصل کی، اور گاؤں کے کسی قریبی اسکول میں مڈل تک پڑھا مگر اللہ کی طرف سے آپ کے اندر کچھ ایسی حالت و کیفیت پیدا ہوئی کہ اس تعلیم کو جاری رکھنے سے بیزار ہو گئے۔

باطنی تربیت چنانچہ آپ اسی حال سے متأثر ہو کر لکھنؤ حضرت مولانا وارث حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے جو ٹیلہ والی مسجد کے متصل قیام پذیر تھے، اور وہاں ان کی تعلیم کے مطابق ذکر واذکار، تزکیہ نفس اور اصلاح قلب میں مشغول ہو گئے، ستر ہزار مرتبہ اسم ذات کے ورد کا معمول تھا، ایک طویل عرصہ تک آپ ان کی خدمت میں مقیم رہے، غالباً حضرتؒ کی طرف سے اجازت و خلافت سے بھی مشرف و سرفراز ہوئے۔

حضرت مولانا کسی مدرسہ سے باضابطہ عالم اور فارغ التحصیل تو نہیں تھے تاہم قرآن وحدیث پر آپ کی نظر گہری تھی، قرآن پاک کی آیات اور احادیث نہایت موقع و محل سے پڑھتے کہ علما و مشائخ کو بھی حیرت ہونے لگتی، یہ حقیقت ہے کہ اللہ سے قوی نسبت اور باطنی دولت کے حصول کے لئے کسی کا باضابطہ عالم ہونا ضروری نہیں ہے، اس کے لئے تو اخلاص، للّٰہیت، ایثار، قربانی، انابت، درد و محبت اور شفقت علی الخلق کافی وافی ہے، اس کی صحیح

مثالیں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ کی ہمارے سامنے موجود ہیں، ان نفوس قدسیہ کی برکت اور ان کی باطنی سوز و ساز کی حرارت سے کتنے علماء صاحب حال اور صاحب مقام ہو گئے۔

حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ کی خدمت میں

حضرت مولانا وارث حسن صاحبؒ کی خدمت میں ایک زمانہ تک مقیم رہنے اور سخت ترین مجاہدات کی وادیوں سے گذرنے کے بعد مزید باطنی ترقی اور اللہ سے قوی نسبت کے حصول کے لئے حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب نقشبندی مجددیؒ سے اصلاحی تعلق پیدا کر لیا (حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ موضع سدھونہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے صاحب کرامت بزرگ تھے اور اس زمانہ میں جامع از ہر مصر سے فارغ تھے بخاری شریف گویا زبانی یاد تھی بلقان کے جہاد میں بھی شریک ہوئے تھے، ۱۳۵۴ھ میں وفات پائی) حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ نے آپ کی طرف انتہائی توجہ اور شفقت و عنایت کا معاملہ کیا، شاہ صاحبؒ حضرت کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، ہدیۃً کوئی چیز آتی تو اس میں سے کچھ آپ کے لئے بچا لیتے اور آپ کو عنایت فرماتے، اور کبھی فرماتے کہ ہمارے چار لڑکے ہیں یہ تو سب دنیا کے لئے ہیں مگر ایک لڑکا آخرت کے لئے ہے اور وہ "محمد احمد" ہے اور کبھی فرماتے آپ لوگوں نے "محمد احمد" جیسا اپنے آپ کو مٹائے ہوئے کسی کو دیکھا ہے؟ حضرتؒ کی طرف سے بھی آپ کو

اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہوا، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

دعوت وتبلیغ کی سرگرمی

حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ کے یہاں سے اجازت وخلافت سے مشرف ہونے کے بعد خلق کی ہدایت، اصلاح امت اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مشغول ہوگئے، اس کے لئے آپ گاؤں گاؤں پیدل چل کر تشریف لے جاتے، کچھ مخلصین بھی ساتھ ہوتے، ساتھ چنا، گڑ، روٹی وغیرہ لے لیتے اور وہی کھا لیتے اور وہاں وعظ و تقریر فرماتے اور حسب مراتب لوگوں کو پند و وعظ اور نصیحت فرماتے، اس طرح اطراف وجوانب میں آپ کی اصلاحی تقریروں اور وعظوں سے دینی فضا قائم ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے ساتھ آپ کی دعا اور تعویذ میں نہایت تاثیر عطا فرمائی تھی، اس کے لئے بھی لوگ دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی توجہ سے شفایاب اور بامراد واپس جاتے، نیز آپ کی مجلس میں ہر پریشان حال کو سکون واطمینان حاصل ہوتا، چنانچہ بہت سے مریضوں کو اچھا ہوتے دیکھا گیا، لیکن آپ کے نزدیک اس شخص کی زیادہ قدر واہمیت ہوتی جو دین اور اصلاح باطن کے لئے حاضر ہوتا، ایک دفعہ الہ آباد کے کچھ حضرات آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو الہ آباد تشریف لانے کی دعوت دی، چنانچہ بقول مکرم حاجی شرافت حسین صاحب حضرت والاؒ ۱۹۳۲ء میں محلہ دارا گنج تشریف لائے، پھر آپ کے آنے جانے کا سلسلہ شروع

ہو گیا، اور مختلف جگہوں پر قیام فرماتے (جیسے محلّہ کڑہ اور دریا آباد وغیرہ) اور اس کے بعد صابری منزل میں حضرتؒ کا قیام رہنے لگا، اسی طرح آپ کے فیوض و برکات سے اہل الہ آباد بھی مستفید و مستنیر ہونے لگے۔

آپؒ کی بے نفسی اور فنائیت

ہمارے نانا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۵۷ء میں الہ آباد تشریف لائے اور بخشی بازار محلّہ میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مصلح الامتؒ کی مجلس میں تشریف لاتے اور اپنے متعلقین کو حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دیتے، یہ چیز حضرت والاؒ کی انتہائی بے نفسی، للّٰہیت اور اخلاص پر دلالت کرتی ہے۔

لوگوں کا رجوع

۲۵/نومبر ۱۹۶۷ء میں حضرت مصلح الامتؒ کے انتقال کے بعد آپ کی طرف رجوع عام ہوا، چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ کے کچھ خاص خاص مریدین و متعلقین جن میں والد ماجد مولانا محمد قمر الزماں صاحب بھی تھے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں آنے جانے لگے، میں بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اسی وقت سے حضرت کی بزرگی اور تقدس کا نقش ذہن و ضمیر پر مرتسم ہو گیا تھا، حضرت والاؒ سے جناب والد ماجد صاحب کا تعلق بڑھتا گیا یہاں

تک کہ کچھ ہی دنوں کے بعد خلعت خلافت سے مشرف فرمایا اور اس قدر محبت فرمانے لگے کہ آپ کے بغیر چائے اور رات کا کھانا تناول نہیں فرماتے، اگر آپ کے آنے میں کبھی کچھ تاخیر ہو جاتی تو کئی کئی لوگوں کو آپ کے لانے کے لئے بھیج دیتے، جب تک آنہ جاتے انتظار فرماتے رہتے، اور یہ معمول آخر وقت تک قائم اور جاری رہا بلکہ متعدد بار فرمایا کہ بغیر آپ کے جنت میں نہ جاؤں گا ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

مدرسہ بیت المعارف الہ آباد میں قیام

پھر صابری منزل کے قیام کے بعد ۱۴۰۰ھ سے مستقل قیام مدرسہ بیت المعارف میں رہنے لگا، اہل مدرسہ کے لئے بالخصوص اور اہل شہر کے لئے بالعموم حضرتؒ کا یہ چار سالہ قیام بہت مبارک اور مفید ثابت ہوا، مدرسہ میں علماء و مشائخ کا قیام رہتا، حضرت اپنے مفید ارشادات اور خصوصی توجہات سے طالبین و سالکین، اساتذہ و طلبہ کو مستفید فرماتے، کبھی حضرت خاص وجد و کیف کے ساتھ اپنے ہی اشعار سناتے، جس سے اہل مجلس پر ایک خاص اثر پڑتا، کبھی تصوف کے مضامین بیان فرماتے اور کبھی آپ پر ایک سکوت اور خاموشی کا عالم طاری رہتا، الغرض حضرتؒ کے قیام کی برکت اور آپؒ کے روحانی مواعظ و ملفوظات سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا۔

حضرت والاؒ اپنی صحت کی مستقل ناہمواری و ناسازگاری کے باعث اپنے

خاص محبؒ و مرید مکرم ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر مقیم ہو گئے، تاہم حضرتؒ اکثر و بیشتر بیت المعارف یا مدرسہ سے قریب والد محترم کے مکان پر مستقل ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور کبھی فرماتے کہ مولانا! صرف آپ کو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں، دیر تک نہ بیٹھوں گا۔

طریق اصلاح و تربیت

حضرتؒ کے اصلاح و تربیت کا انداز بہت نرالا تھا، سب کے ساتھ نہایت نرمی، رفق اور مہربانی کا سلوک فرماتے، زیادہ تر آپ پر جمالی کیفیت طاری رہتی، لیکن کبھی حسب موقع سختی سے بھی کام لیتے، بیعت کرنے کے سلسلہ میں حضرتؒ کافی محتاط تھے، جلدی کسی کو بیعت نہ فرماتے، کسی کے متعلق جناب والد صاحب فرماتے کہ حضرت یہ اچھے آدمی ہیں تو آپ اس کو بیعت فرما لیتے، اجازت و خلافت دینے میں تو اس سے بھی زیادہ محتاط اور سخت واقع ہوئے تھے، اس سلسلہ میں بھی والد محترم سے ہی مشورہ لیتے، اگر آپ کے کہنے سے حضرتؒ کو اطمینان ہو جاتا تو اس کو خلافت دے دیتے۔

اتباع شریعت و سنت

اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، ہر چھوٹی بڑی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، حتیٰ کہ کھانے میں نمکین سے شروع کرتے اور اسی پر ختم کرتے، اگر کبھی موزہ یا پائجامہ کوئی پہلے بائیں پیر میں پہنا دیتا تو حضرت اس کو نکال کر دائیں پیر میں پہلے پہنتے اور

نکالنے میں پہلے بائیں پاؤں سے نکالتے، سلام کرنے میں سبقت کرتے، مصافحہ فرماتے، احباب و علماء اور اعزہ واقارب سے ملاقات کے لئے جاتے، شادیوں میں عموماً شریک نہ ہوتے، اگر شریک ہوتے اور کوئی خلاف سنت و شریعت چیز دیکھ لیتے تو الٹے پاؤں وہاں سے واپس ہو جاتے۔

ذکر اللہ اور تلاوت قرآن تلاوت قرآن پاک بہت ذوق و شوق اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ فرماتے، وطن میں ذکر کا معمول مغرب کے بعد تھا، اپنے مکان سے متصل باغ میں تشریف لے جاتے اور بہت حال و کیفیت کے ساتھ ذکر فرماتے، جیسا کہ آپ ہی کے اس شعر سے آپ کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے ۔

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے

آخر عمر میں زیادہ تر ذکر قلبی کا معمول تھا کبھی تسبیح لے کر بھی پڑھتے اور کبھی ذکر بالجہر کرتے۔

توکل وزہد حضرتؒ کی زندگی توکل وزہد سے پُر تھی، توکل علی اللہ کی صفت سے پوری طرح مالا مال تھے، رزق کی طرف سے کبھی پریشان خاطر نہ ہوئے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے کہ ”میری یہ جیب حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ

کی زنبیل ہے، جتنی مجھے ضرورت ہوتی ہے اس سے نکال لیتا ہوں" اسی لئے مخلوق سے بالکل مستغنی رہتے، اگر آپ سے کوئی یہ کہہ دیتا کہ حضرت کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہئے گا تو آپ فرماتے اب تک تو میں نے کسی سے اپنی ضرورت کہی نہیں، آپ سے کیوں کہوں ! اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے۔

عجب چیز ہے لذت آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

ہاں اگر کوئی خلوص و محبت سے کوئی چیز پیش کرتا تو قبول فرمالیتے اور اس کو خوب دعائیں دیتے، اگر کسی کے خلوص میں تردد و شک ہوتا تو اس کے ہدیہ کو واپس فرمادیتے اور پرواہ نہ کرتے۔

ضیافت اور مہمان نوازی آپؒ کا ایک وصف مہمان نوازی کا تھا، ہر کس و ناکس کی خاطر داری و مہمان نوازی کرتے، اگر کوئی حضرتؒ کے وطن پھولپور پہنچ جاتا تو اس کے آنے سے بہت خوش ہوتے، اس کے لئے خود سے کھانا لاتے اور اس کو کھلاتے، علماء و مشائخ کے آنے سے تو غایت درجہ خوش اور مسرور ہوتے اور ان کے لئے جان و دل سے فرش راہ ہو جاتے اور ان کے جانے سے مغموم و محزون ہو جاتے، جیسا کہ اپنے اس شعر میں اس کی ترجمانی فرمائی ہے۔

ترا آنا مرے احساس میں جان مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے غم ہے حسرت ہے قیامت ہے

تالیفات

☆...... روح البیان : یہ حضرت والاؒ کے ان مواعظ اور تقاریر کا ایک ایمان افروز مجموعہ ہے جن کو حضرتؒ نے نہایت درد و سوز، اخلاص اور سادگی سے مختلف موقعوں پر بیان فرمایا ہے، ان مواعظ کو حضرتؒ کی حیات ہی میں مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ نے جمع کیا اور ''روح البیان'' کے نام سے طبع بھی کرایا مگر عرصہ سے نایاب ہے لہٰذا اب کچھ ترمیمات اور اضافات کے ساتھ مولانا اقبال احمد صاحب مقیم لوساکا (زامبیا) اپنے اہتمام میں طبع کرانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

☆...... عرفان محبت : یہ حضرتؒ کے ان عارفانہ اشعار کا ایک حسین گلدستہ ہے جس کو مولانا سید محمد الحسنیؒ نے بہت سلیقہ اور عمدگی سے اس کے عنوانات قائم کر کے مرتب کیا ہے۔

☆...... کمالات نبوت : حضرتؒ کی یہ کتاب قابل دید ہے جو مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''منصب امامت'' کے شروع کے حصہ کا ترجمہ ہے اس کے علاوہ اس میں دوسرے مضامینِ سیرت شامل کئے گئے ہیں، اس کی شرح مکرم والد ماجد نے ''فیضان محبت'' کے نام سے لکھی ہے جس کو خود حضرتؒ نے بہت پسند فرمایا تھا، حضرتؒ کے زمانۂ حیات میں الحمد للہ طبع ہو چکی تھی۔

☆...... اخلاق سلف : حضرتؒ کی یہ چوتھی کتاب ہے جو علامہ عبد الوہاب شعرانی

رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی تلخیص و ترجمہ ہے جس میں اسلاف کے اخلاق اور ان کی تعلیمات پر سیر حاصل کلام ہے ۔

وفات حضرتؒ ۴۹/ دن مسلسل و متواتر شدید تکلیف کے بعد ۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہزاروں محبین و مخلصین کو چھوڑ کر دار آخرت کی طرف رحلت فرماگئے ...انا للہ وانا الیہ راجعون ... جنازہ میں شرکت کے لئے عقید تمندوں کا ایک مجمع کثیر سیلاب کی مانند امنڈ پڑا، منصور پارک میں جنازہ کی نماز حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا اشتیاق احمد صاحب نے پڑھائی اور محلہ رام باغ کے بعد اکیلا آم نامی قبرستان میں تدفین ہوئی، نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ

پسماندگان آپؒ نے پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے اپنے پسماندگان میں چھوڑے صاحبزادگان کے اسماء گرامی حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

مکرم مولانا اشتیاق احمد صاحب خلیفہ حضرت والاؒ، مکرم ارشاد احمد صاحب اور قاری مشتاق احمد صاحب ناظم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، بڑے صاحبزادے مولانا اشیاق احمد صاحب ۱۴۱۶ھ میں وفات پاگئے اور اپنے والد ماجد کی قبر مبارک کے متصل مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہ

کتبہ : محبوب احمد قمر الزماں ندوی　　　　شوال المکرم ۱۴۱۹ھ

عرضِ مرتب

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم .... اما بعد !

قال الله تعالی ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔اس میں حق تعالیٰ صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم فرمارہے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے کس قدر اس کی اہمیت مفہوم ہوئی بلاشبہ صادقین کی صحبت کبریت احمر اور رذائل کے دور کرنے میں تریاق نافع ہے اسی طرح ان حضرات کے ارشادات وملفوظات میں بھی عشق ومحبت کی وہ گرمی پوشیدہ ہے جو اغیار کو دل سے نکال کر انوار نسبت ومحبت سے معمور کردیتی ہے اس سے اللہ ورسول ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے، عمل صالح کا جذبہ وداعیہ ابھرتا ہے اور آخرت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے جس کے سبب انسان سفر آخرت کے لئے کمربستہ ومستعد ہوجاتا ہے اسی بنا پر بزرگان دین نے جس طرح صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام فرمایا ہے اسی طرح ان کے ارشادات کی جانب بھی ترغیب وتحضیض فرمائی ہے چنانچہ اہل اللہ کے ارشادات کو ان کا سچا جانشین اور ان کی صحبت کا نعم البدل قرار دیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ **فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نصح المریدین** اہل اللہ کی تصنیفات ان کی وفات کے بعد مریدین کی

نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتی ہیں۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے اس کی نظر دوا اور اس کا کلمہ شفا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ شریعت مصطفویہ پر ثابت قدم رکھے کیونکہ یہی امر مدار نجات اور ذریعہ سعادت ہے۔ (تجلیات ربانی ص ۴۳، ج ۱)

ان ارشادات سے اہل اللہ کی صحبت نیز ان کے کلام کی کیسی کچھ افادیت ونافعیت ثابت ہوئی، اسی لئے علماء ومشائخ کے ملفوظات کے ضبط کرنے کا سلسلہ برابر جاری ہے جو بعد والوں کے لئے اپنے اکابر کی تعلیمات کا مرقع اور ان کے دستور العمل کی حیثیت سے سامنے رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے فیوض وبرکات کا سلسلہ صدیوں گذرنے کے بعد بھی جاری وساری ہے۔

بلا شبہ انہیں مشائخ عظام میں سے حضرت بقیۃ السلف محی السنّت شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم (متوفی ۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ) کی ذاتِ گرامی بھی ہے جو یقیناً دور حاضر میں اسوۂ نبویہ کی حامل اخلاق محمدیہ کی زندہ مثال اور اولیاء سابقین وسلف صالحین کی مجسم یادگار ہیں، تواضع وانکسار آپ کا طرۂ امتیاز اور شفقت ومحبت آپ کا سراپا ہے آپ کی زندگی سلف کا نمونہ، آپ کی مجلس قلوب کی دوا، آپ کی صحبت روح کی غذا، آپ کی ہم نشینی امراض قلوب کی شفا ہے۔ آپ کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل اور آپ کا ہر قول حرز جان بنانے کے لائق ہے آپ کے

مواعظ میں حق تعالیٰ نے عجیب وغریب تاثیر رکھی ہے جس کا سامعین کے قلوب پر ایک خاص اثر پڑتا ہے حضرت والا اپنی انہیں خصوصیات کی بنا پر اکابر وقت کی نظر میں مقبول و محبوب ہیں اور ان کے قلوب میں آپ کا ایک خاص مقام ہے اور آپ کی ذات گرامی اس وقت مرجع خاص وعام ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت اقدس کے مواعظ کا پہلا مجموعہ "روح البیان" حصہ اول ۱۹۷۶ء میں محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب زید شرفہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں پہلی بار طبع ہو کر مقبول خاص وعام ہوا پھر دو سال بعد موصوف ہی کی جانب سے دوسرا مجموعہ بھی "روح البیان" حصہ دوم ۱۹۷۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر مرحمت فرمائے، آمین۔

بحمد اللہ ان سبھی مضامین کو اہل دل، اہل علم، اہل ذوق اور اہل قلم نے بہت ہی پسند فرمایا جس کا اظہار مختلف عنوانات سے فرماتے رہتے ہیں، کتنے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی، عقائد کی اصلاح ہوئی اور ان کے دلوں کی دنیا بدل گئی اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

چونکہ "روح البیان" حصہ اول عرصہ سے نایاب ہے اور طالبین کا بیحد اصرار تھا کہ دوبارہ طبع ہو اس لئے دوبارہ اشاعت کا ارادہ ہوا اور اس دفعہ یہ سعادت احقر کے حصہ میں آئی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو ان ارشادات عالیہ سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام　　　　احقر عمار احمد عفی عنہ

خادم طلبہ بیت المعارف الہ آباد

مقدمہ

محی السنّت حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی دامت برکاتہم
خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ اسرارہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم .... اما بعد !

امت مسلمہ کی رشد وہدایت کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد بھی ہر زمانہ میں کچھ ایسے حضرات کو منتخب فرماتے رہتے ہیں جو حضور ﷺ کے سچے جانشین ثابت ہوتے ہیں اور علماً و عملاً، قولاً و حالاً آپ کی ترجمانی کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے قیامت تک ہر دور میں صالحین کی ایک ایسی جماعت ضرور موجود رہے گی جو اپنے اسلاف کا صحیح نمونہ امت کے سامنے پیش کرتی رہے اور ان کے اندر عمل کا داعیہ ابھارتی رہے اور بلا خوف لومۃ لائم سنت نبوی پر عمل کرتی اور اس کی طرف امت کو دعوت دیتی رہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے
" عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ لاتزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لايضرهم من خذلهم حتى ياتى امر الله وهم كذلك " (مسلم شریف)

پس کوئی زمانہ اہل اللہ سے خالی نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس زمانہ میں بھی بحمد اللہ ایسے اکابر موجود ہیں جن کی صحبت و مجالست کو غنیمت کبریٰ سمجھنا چاہیئے، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اہل اللہ کی صحبت اور معیت نصیب ہے، چاہیئے کہ اس کو مغتنم شمار کریں اور اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی اس دور میں ہمارے اسلاف کا نمونہ ہے، جن حضرات کو آپ کی مجالس میں شرکت کرنے اور آپ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا ہوگا ان کو بخوبی اس کا اندازہ اور مشاہدہ ہوگا کہ آپ کی مجلس میں کیسی برکت اور آپ کے بیان میں کس قدر تاثیر ہے، چنانچہ حرمین شریفین میں بھی میں نے خود دیکھا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و مجالس میں بڑے بڑے علماء واکابر مختلف مقامات کے بڑے اہتمام سے تشریف لاتے تھے اور بہت متأثر اور محظوظ ہوتے تھے، احقر کو بھی حضرت مدظلہ کی مجلس میں شرکت کا بارہا اتفاق ہوا، آپ کے بیانات عجب پُر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع اور مؤثر ہوتا ہے، احقر نے تو حضرت مولانا کے متعدد مواعظ و ملفوظات کو ٹیپ ریکارڈ میں ضبط بھی کر لیا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنے احباب میں سنایا بھی کرتا ہوں، ان مضامین عالیہ سے سبھی محظوظ و متأثر ہوتے ہیں، اس لئے جی چاہتا تھا کہ ان مضامین کی اشاعت کر کے ان کے نفع کو اور عام کیا جائے، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کے بعض خدام نے چند بیانات کو

قلمبند بھی کرلیا ہے، مجھے بھی ان کے مطالعہ کا موقع ملا اور بغور مطالعہ کیا اور ان سے مستفیض اور محظوظ ہوتا رہا، عجیب و غریب مضامین ہیں، میرے نزدیک ان کی اشاعت نہایت مفید اور از بس نافع ہے، انشاء اللہ قارئین کو بہت نفع ہوگا، لہٰذا ان مضامین کی اشاعت جلد از جلد کتابی شکل میں ہو جاتی تو بہتر ہوتا، اللہ تعالیٰ خواص و عوام سب کو ان مضامین عالیہ مفیدہ سے انتفاع کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حضرت مولانا موصوف کے کلام کا ایک ذخیرہ منظوم شکل میں بھی موجود ہے جس کو میں "وعظ منظوم" کہا کرتا ہوں نہایت عارفانہ اور محققانہ کلام ہے، طریق کی تعلیم کو انتہائی سہل عنوان سے ان اشعار میں بیان فرمادیا ہے، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ ان اشعار کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایسا جامع نسخہ ہے جس میں مبتدی، متوسط اور منتہی ہر ایک کے لئے تعلیم موجود ہے، نیز فرماتے تھے کہ میں خود ان کو طبع کراؤں گا، مگر اب تک اس کی نوبت نہ آسکی، معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی اب جلد ہی طبع ہونے والے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جلد تر اسے بھی منصۂ شہود پر لائے اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تعلیمات پر عمل کی توفیق ہم سبھی کو مرحمت فرمائے اور حضرت کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے، آمین!

ناکارہ ابرارالحق غفرلہ

خادم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی، ۱۱ر رجب ۱۳۹۵ھ

حمد

از : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل

تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے
تو ہی رب انفس و آفاق ہے

تیری قدرت کی نہیں کچھ انتہا
شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا

یا علیم یا سمیع یا بصیر
تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میری شفا

یہ زمین و آسمان، شمس و قمر
دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر

تو ہی مالک تو ہی رب العالمین
تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبیں

شان تیری کون سمجھے گا بھلا
ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا

تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا
جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا

کید سے شیطان کے یا رب چھڑا
اور شرور نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی ! مجھ کو اپنا بنا
کر لے مقبول، احمدؔ کی دعا

☆...... **ف** : غور فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ہر شعر باری تعالیٰ کی معرفت کا دفتر اور ہر ہر بیت، اللہ رب العزت کے علم و حکمت کا خزینہ ہے اور آخر میں جو دعا فرمائی تو بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ وہ دعاؤں کا مغز و خلاصہ ہے، اور اس حمد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسماء حسنیٰ کثرت سے مذکور ہیں جو اس کے شرف و فضل کے لئے کافی ہے، **فلله الحمد والمنة**

فیضان محبت

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم

نعت

از : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

دوستو! زندگی کا پیام آگیا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا
دوستو ! زندگی کا پیام آگیا

آگیا ، انبیاء کا امام آگیا
لے کے فیضانِ دار السلام آگیا

تیرے در پر جو خیر الانام آگیا
اس کے ہاتھوں میں عرفاں کا جام آگیا

ساز و سامانِ عیش دوام آگیا
یعنی حکم سجود و قیام آگیا

اللہ اللہ ہوئی دل کی دنیا حسین
جب مقدر سے حُسنِ تمام آگیا

پاگیا پاگیا حاصلِ زندگی
در پہ آقا کے جس دم غلام آگیا

دور ظلمت ہوئی، دل منور ہوا
جب مدینہ میں ماہ تمام آگیا

ان کی مرضی نظر آئی رشک جناں
عشق میں ایک ایسا مقام آگیا

لائے تشریف جب سید المرسلین
خُلد دنیا بنی وہ نظام آگیا

ظلم رخصت ہوا عدل قائم ہوا
عشق کے ہاتھ میں انتظام آگیا

تیرے ابر کرم سے شہہ انبیاء
ہو کے سیراب ہر تشنہ کام آگیا

فیض ساقیٔ کونین صل علیٰ
جو بھی چاہے پیئے اذنِ عام آگیا

تیری برکت سے اے سید انس و جاں
صبح روشن ہوئی کیف شام آگیا

آپ کی مدح انسان کیا کر سکے
عرش سے جب درود و سلام آگیا

قلب شاداں ہوا روح رقصاں ہوئی
لب پہ احمد کا شیریں کلام آگیا

آخرت کی تجارت

اقتباس

یادرکھو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانی ومالی قربانی پیش کروگے تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیں گے، کھاؤ پیو، تجارت کرو، کاروبار کرو، مگر سب میں اس بات کا لحاظ رکھو کہ شریعت کے مطابق چلو، کوئی قدم ہمارا خلاف شرع نہ اٹھے اسی کے اندر فلاح ہے، ورنہ گناہ اور نافرمانی کا انجام خسارہ ہی خسارہ ہے

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان الٰہ آباد میں محترم جناب حبیب احمد صاحب کے مکان پر ہوا، جس میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس کی تیاری کی ترغیب دلائی ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا.

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے؟ وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ

تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

ہماری غفلت کی انتہا آج کل ہم لوگوں کی عجیب حالت ہوگئی ہے ہم نے اپنے اسلاف کی اور صحابۂ کرامؓ کی سیرت کو بالکل بھلادیا ہے اور ہم اس قدر غافل ہوگئے ہیں کہ ہم میں ان کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، نہ ہمارے اندر وہ ایمانی جذبہ ہے، نہ ہمارے ایمان میں وہ قوت ہے، نہ اللہ و رسولؐ کی وہ محبت و عظمت ہے جو صحابۂ کرامؓ میں تھی، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سرکار دوعالم ﷺ کی محبت سے خالی ہیں، اسی طرح ہمارے اندر نہ آخرت کا یقین ہے نہ اللہ کے کلام کی عظمت ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک کی اور نہ آپ کے ارشادات کی اہمیت ہے، پھر اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

دل زندہ اور دل مردہ کی مثال ابھی آپ نے بیان شروع ہونے سے پہلے جو نعت سنی وہ اسی حقیر کی ہے، اگر آپ کے سامنے اسی کی شرح بیان کروں تو کچھ حقیقت معلوم ہو اور یہ بات واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ دنیا

میں کس لئے تشریف لائے تھے اور آپ ﷺ کی بعثت کا کیا مقصد تھا؟ ابھی آپ نے سنا ہے کہ

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا دوستو! زندگی کا پیام آگیا

یعنی لوگوں کے قلوب مردہ ہو چکے تھے، حضور ﷺ کی تشریف آوری سے اور آپ ﷺ کی پاک صحبت سے، اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس سے مُردہ دل زندہ ہو گئے، آپ کو معلوم ہے کہ دل کی موت اور اس کی حیات کیا چیز ہے؟ اللہ کی یاد سے جو غافل ہے، اللہ کے ذکر سے جو خالی ہے وہ دل مُردہ ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث آئی ہے "عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ مثل الذی یذکر ربہ والذی لایذکر مثل الحی والمیت" متفق علیہ (مشکوٰۃ، باب ذکر اللہ ج ۱ ص ۹۶)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "مثال اس آدمی کی جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یاد کرتا ہے اور اس آدمی کی جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا بلکہ بھولا ہوا ہے زندہ اور مردہ کی سی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا نام رٹنے والا زندہ ہے اور اس کا دل زندہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانے والا، اس کی بندگی سے جی چرانے والا، اس کی یاد سے غافل رہنے والا مُردہ ہے، اس کا دل بھی مُردہ ہے۔

حقیقت میں دنیا کی زندگی فانی اور مٹ جانے والی ہے اور دنیا کی بہار چند روزہ ہے جس پر ہم قربان ہو رہے ہیں، اللہ کے بندو! اس دنیا سے دل مت لگاؤ اور آخرت کی طرف قدم بڑھاؤ، آخرت باقی رہنے والی ہے وہاں کی راحت جاودانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی طرف بلانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنے اپنے زمانہ میں تمام پیغمبروں نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور دین کی تبلیغ فرمائی اور اس میں انہوں نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں، اخیر زمانہ میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھیجا اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا، آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے تا قیامت اب آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو گا۔

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، توراۃ وانجیل، صحف ابراہیم وصحف موسیٰ اور زبور داود سب کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا ہے، اس لئے اب اگر نجات وفلاح ہو گی تو اسی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کا اتباع کرنے سے ہو گی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت اور گمراہی کا طریقہ ہو گا، ہدایت تو بس اسی میں منحصر ہے۔

قرآن کی عظمت کا ہم کو اندازہ ہی نہیں اور ہم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس میں کتنا وزن ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب حضور اقدس ﷺ پر وحی

نازل ہوتی تھی تو آپؐ کے چہرے سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے، پیشانی مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تربتر ہو جاتی تھی، بسا اوقات آپ اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹ اس کے بوجھ سے بیٹھ جاتا تھا۔

حضور علیہ السلام کے تاثر کا تو پوچھنا ہی کیا، صحابہ کرام پر آیات قرآنی کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ بعض وقت اس کی وجہ سے کئی کئی روز بیمار رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت کو نکلے، اتفاقاً ایک مسلمان کے گھر کے پاس سے آپ کا گذر ہوا تو وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے، آپ کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے، انہوں نے سورۂ طور پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنَّ عذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ٥ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ٥ يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْراً ٥ وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْراً﴾ یعنی بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا، اور یہ اس روز واقع ہوگا جس روز آسمان تھر تھرانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو سن کر فرمایا کہ قسم ہے پروردگار کعبہ کی یہ قسم حق ہے پھر اپنی سواری سے اترے اور دیوار کے ساتھ تکیہ لگایا اور دیر تک ٹھہرے رہے، پھر اپنی جگہ لوٹ آئے اور گھر پہنچ کر ایک ماہ تک بیمار رہے، لوگ دور دور سے ان کی مزاج پرسی کو آتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری کیا ہے کسی کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا کیا حال ہے اور ان کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن پاک کی کیسی عظمت تھی، ہم بھی تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت سنتے ہیں مگر ہماری وہ کیفیت نہیں، آج ہم لوگ اپنے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں اس لئے ہم محروم ہیں اور جو لوگ تھوڑی بہت تلاوت کرتے بھی ہیں تو اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، اللہ کی یہ وہی مقدس اور مبارک کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنے محبوب ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اس کتاب کی عظمت کا کیا پوچھنا! ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا لیکن ہم پر جو اللہ کے کلام کا اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے قلوب سخت ہو گئے ہیں اور ان پر ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ بڑی سے بڑی اثر کرنے والی چیز بھی اس میں کچھ اثر نہیں کرتی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا اور گناہ کرتا ہی رہتا ہے تو وہی سیاہی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر پڑے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کر دیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور یہی تاریکی دل کا زنگ ہے، نیز معلوم ہوا کہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے قلب کی سیاہی بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، ہمارے قلوب تاریک ہو چکے ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر اللہ والوں کو قلب کی تاریکی کا بھی احساس ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو بھی اللہ والے محسوس فرماتے ہیں، اگر ہم ان کے پاس جاتے اور ہمارے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا تو ہم کو بھی قلب کی تاریکی اور اس کا نور محسوس ہونے لگتا، تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کی تبلیغ و دعوت کے لئے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی دین کو پہنچانے کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہؓ کرامؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، مصیبتیں پہنچائی گئیں اور اس کو انہوں نے برداشت کیا، ہم تو اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہمارے اندر وہ استقامت نہیں جو صحابہؓ کے اندر تھی، انہوں نے جب اللہ کا نام لیا اور اللہ پر ایمان لائے تو ان کی کیفیت کچھ اور ہو گئی تھی، وہ جبلِ استقامت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر

اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے پروردگار ہونے کا اقرار کرلیا اور اسی پر استقامت اختیار کرلی اور مرتے دم تک اس اقرار سے ہٹے نہیں، بلائیں آئیں تو، بیماریاں آئیں تو، فقر و فاقہ ہوا تو، خوشحالی ہوئی تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اللہ کے در کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں اور اس کی بندگی و فرمانبرداری سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لئے مرتے وقت فرشتے یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ﴿ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یعنی تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ خوشخبری موت کے وقت بھی سنائی جاتی ہے، قبر میں بھی سنائی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی سنائی جائے گی، اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت ہی گویا اس طرح مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا، لہٰذا اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ

جنت کی بشارت حاصل کرو، پس معلوم ہوا کہ یہ بشارت انہیں کے لئے ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، مگر ہمارا یہ حال ہے کہ آج ہمارے اندر نہ جنت کا یقین ہے نہ جہنم کا یقین، ہمارے قلوب میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہا، صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر وہ لرز جاتے تھے اور تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کا یہ حال تھا کہ جب تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا اور خود حضور اقدس ﷺ کے خوف کا یہ عالم تھا کہ آپ اتنی عبادت کرتے تھے جس سے پائے مبارک ورم کر آتے تھے، جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ تو اللہ کے محبوب ہیں، آپ گناہوں سے معصوم ہیں پھر آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں تو فرماتے " اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا " کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس قدر شکر ادا کرتے تھے، اور ہم لوگ اللہ کی بے شمار نعمتیں کھاتے پیتے اور استعمال کرتے ہیں پھر بھی شکر نہیں ادا کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بڑی عنایت اور محبت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماں باپ کو جتنی محبت اپنے اکلوتے بیٹے سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اس سے ننانوے گنا زیادہ محبت ہے ان کی صفت رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ہے، اپنے بندوں پر وہ بہت زیادہ مہربان ہیں، ان کی نعمتیں بے شمار ہیں اگر ہم ان کا

شمار کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو اس کا احصاء نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو ہم استعمال کرتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر بھی نافرمانی کرتے ہیں کس قدر تعجب کی بات ہے۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کو جو تباہ کیا اور ان پر عذاب آیا وہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے واقعات کا بار بار ذکر فرمایا ہے مگر ہم لوگ توجہ سے نہیں سنتے اور ایسے غافل ہیں کہ ان واقعات سے عبرت نہیں حاصل کرتے، سنئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴾ غرض کتنی بستیاں ہیں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی حالت یہ تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں سو اب یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت قلعی چونے کے محل جو اب شکستہ ہو گئے ہیں یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے۔

کسی پر پانی کا عذاب آیا، کسی کو زمین میں دھنسایا گیا، کسی پر چنگھاڑ آئی، کسی کو مسخ کر دیا گیا، آدمی سے بندر اور سور بنا دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴾ اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے شرع

سے تجاوز کیا تھا دربارہ اس حکم کے جو یوم ہفتہ کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں سو ہم نے ان کو (اپنے حکم قہری تکوینی سے مسخ کرنے کے لئے) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ (چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے)۔

حضور اقدس ﷺ پر قربان جایئے کہ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری امت میں مسخ نہ ہو اور ایسا عام عذاب نہ آئے جس سے امت کا استیصال ہو جائے اور پوری امت ہی ہلاک ہو جائے ، اور آپ ﷺ کی یہ دعا دربارِ خداوندی میں مقبول ہو گئی ورنہ آج ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جس طرح نافرمانی کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ہم لوگ بھی بندر بنا دیئے جاتے ، زمین میں دھنسا دیئے جاتے ، کون سا گناہ ہے جو آج ہم لوگ نہیں کر رہے ، مگر یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ کا امتی بنا کر آپ ﷺ کے طفیل میں لطف و کرم سے نواز رہے ہیں، اس نعمت کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

انبیاء علیہم السلام جو احکام اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے وہ دو طرح کے ہیں، ایک منکر سے متعلق ہے اور ایک معروف سے، ہر نبی نے نیک کام کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع فرمایا، اگر مسلمان اپنی زندگی کو درست کرے اور معروف پر عمل کرے، منکرات سے بچنے لگ جائے تو آج امت میں بہار آسکتی ہے، اسی کو اس آیت میں بیان فرمارہے ہیں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ یعنی اے ایمان والو! کیا میں تم کو

ایسی سوداگری نہ بتلادوں جو ایک عذاب دردناک سے تم کو بچالے؟ (یعنی جہنم کے عذاب سے اور اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے تم کو نجات دے)۔

بھائی سنو! دنیا کی سوداگری اور تجارت کو لوگ تھوڑے سے نفع کے لئے کرتے ہیں، یہ نفع بھی فانی اور دنیا بھی فانی ہے، یہاں کا نفع بھی محدود اور نقصان بھی محدود، دنیا کا فائدہ بھی چند روزہ ہے اور نقصان بھی چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ تو وہ تجارت سکھلا رہے ہیں جس کا نفع بھی غیر محدود اور باقی رہنے والا ہے اور نقصان بھی، وہ سوداگری دردناک عذاب سے بچانے والی، جہنم کے شعلوں سے حفاظت کرنے والی کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o﴾ یعنی تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

الحاصل وہ سوداگری اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا اور اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں قربان کرنا ہے، ایمان ہی کی دعوت دینے کے لئے انبیاء

کو دنیا میں بھیجا گیا، حضور اقدس ﷺ مکہ کی گلیوں میں یہی دعوت دیتے رہے "یٰاَیُّھَاالنَّاسُ قُوْلُوْا لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ تُفْلِحُوْا" یعنی اے لوگو! لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کا اقرار کرو اور توحید پر ثابت قدم رہو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان سب چیزوں پر ایمان لاؤ، اس میں اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا، اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا، اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، حساب و کتاب پر ایمان لانا، جنت و دوزخ پر ایمان لانا غرضیکہ آخرت سے متعلق سب چیزوں پر ایمان لانا اس میں شامل ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے ہمیں سیکھنا ہے کہ ایمان لانے سے پہلے ان کا کیا حال تھا اور ایمان لانے کے بعد ان کی کیا کیفیت ہوئی، ان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں، انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، بدن میں کانٹے چبھوئے جاتے تھے، سینے پر گرم پتھر رکھے جاتے تھے، آگ میں جلائے جاتے تھے، سولی پر لٹکائے جاتے تھے، نیزوں سے زخمی کئے جاتے تھے، خاردار لکڑیوں سے مارے جاتے تھے، مگر چونکہ انہوں نے دل سے اللہ کا اقرار کیا تھا اور دل سے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تھی، ان کے دل میں قیامت کا اور عذاب و ثواب کا یقین آ گیا تھا، اس لئے انہوں نے سب کچھ برداشت کر لیا، یقین ہی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے سب تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا مؤمن کے لئے سہل ہو جاتا ہے، اس کو اللہ اور رسول ؐ کے وعدوں پر ایسا

یقین ہوتا ہے کہ گویا سب چیزیں اس کے سامنے ہوتی ہیں، اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لئے آزمائش کا ہونا ضروری ہے، کیا آپ نے نہیں سنا ابھی عشا کی نماز میں مولوی صاحب نے اس آیت کی تلاوت کی تھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ یعنی کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی اور ان کو پرکھا نہ جائے گا۔

ایسا نہ ہوگا بلکہ ایمان لانے کے بعد آزمائش بھی ہوگی اور کھرا کھوٹا دیکھا جائے گا، کیونکہ انہوں نے بڑی چیز کا اقرار کیا ہے، کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا ہے تو اس میں ان کا صدق دیکھا جائے گا، ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اس آزمائش کی تفصیل ذکر فرماتے ہیں ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور جان و مال اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ان سب لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے

پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی۔

یوں تو منافقین بھی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے تھے مگر اس میں جھوٹے تھے اس لئے ان کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تکذیب کردی گئی، چنانچہ سورۂ منافقون کے شروع میں فرماتے ہیں ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (پ۲۸) یعنی جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ بیشک یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب اس لئے فرمائی کہ وہ فقط زبان سے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے تھے، ایمان کا کلمہ پڑھتے تھے مگر ان کے دل میں کچھ نہیں تھا، اور جن لوگوں نے اس کلمہ کو دل سے مان لیا کہ بیشک یہ حق ہے تو پھر وہ اس پر مرتے دم تک اٹل رہے اور ثابت قدم رہے، چاہے کچھ بھی ہو مال گیا تو پروا نہیں، جان گئی تو پروا نہیں، عزت و آبرو گئی تو پروا نہیں، فقر و فاقہ ہوا تو پروا نہیں، اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد مصیبتیں آئیں گی اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، فقر و فاقہ بھی ہوگا، ان سب کے لئے وہ پہلے سے تیار تھے اس لئے ہر حال میں ڈٹے رہے، اور آج ہم ہیں کہ ذرا سی مصیبت آجائے تو سب

ایمان ختم ہو جاتا ہے، شرک تک کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے در کو چھوڑ دیتے ہیں، ہم کو چاہئے کہ صحابہؓ کو دیکھیں اور ان کے حالات سے سبق لیں۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اقرار کیا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اور اس کی شہادت دی کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، وہی ہمارا خالق اور مالک ہے اور وہ ایک اور واحد ہے، سمیع اور بصیر ہے، اس کی سب صفات قدیم اور غیر متناہی ہیں اور محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں، گویا اس کلمہ کی حقیقت کو انہوں نے پالیا تھا، پھر کیا ہوا؟ انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھے جاتے تھے، بدن میں کانٹے چبھوئے جاتے تھے، شدت کی دھوپ میں کانٹوں پر گھسیٹے جاتے، حتیٰ کہ زبان باہر نکل پڑتی اور ایک دو دن نہیں مدتوں یہ معاملہ ان کے ساتھ ہوتا رہا، مگر شدید سے شدید تکلیف کی حالت میں بھی جب ان سے کہا جاتا کہ اے بلال! اب بھی تم کلمہ پڑھو گے؟ تو جواب دیتے کہ بیشک میں تصدیق کرتا ہوں اللہ کے رب ہونے کی اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی، اور اس حال میں بھی راضی ہوں۔

یہ تھے کلمہ پڑھنے والے اور اللہ کی محبت میں مر مٹنے والے، ہم لوگ بھی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر محبت کا اصلی رنگ اور عشق کی حقیقی کیفیت اور رضا و تسلیم کا واقعی حال دیکھنا ہو تو صحابہؓ کو دیکھو، جب انہوں نے عشق و محبت کا ایسا نمونہ پیش کیا تب اللہ کی رحمت نازل ہوئی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اور ان کی آزمائش اور استقامت کو اور ان کے عشق و محبت کی کیفیت کو مولانا

روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں عجیب وغریب انداز سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں، فرماتے ہیں ۔

تن فدائے خار می کرد آں بلال	خواجہ اش می زد برائے گوشمال
کہ چرا یادِ محمد میکنی	بندۂ بد، منکر دین منی
می زد اندر آفتابش او بخار	او احد می گفت بہر افتخار

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے تن کو فدائے خار کرتے تھے اور ان کا مالک ان کو سزا دینے کے لئے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ تو کس سبب سے محمد ﷺ کا ذکر کرتا ہے، تو برا غلام اور میرے دین کا منکر ہے، (ان کا مالک امیہ ابن خلف راس الاشقیا تھا) وہ دھوپ میں کھڑا کر کے ان کو خار دار لکڑی سے مارتا تھا اور وہ افتخار دینی حاصل کرنے کے لئے احد احد کہتے تھے ۔

تاکہ صدیق آں طرف بگذشت تفت	آں احد گفتن بگوش او برفت
چشمِ او پُر آب شد دل پُر عنا	زاں احد می یافت بوئے آشنا
بعد ازاں خلوت بدیدش پند داد	کز جہوداں خفیہ می دار اعتقاد
عالم السّر است پنہاں دار کام	گفت کردم تو بہ پیشت اے ہمام

یہاں تک کہ ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف کو اتفاقاً گذرے اور احد احد کہنے کی وہ صدا ان کے کان میں پہنچی جس سے ان کی آنکھ پُر نم ہو گئی اور دل پُر غم ہو گیا، اس لئے کہ اس احد احد کہنے سے آشنا کی خوشبو آتی تھی (یعنی محبوب حقیقی کی طرف کشش ہوتی تھی) پھر ان کو خلوت میں کہیں دیکھا،

تو نصیحت کی کہ ان کافروں سے اپنے اعتقاد کو مخفی رکھو کیونکہ خدائے تعالیٰ تو پوشیدہ بات کے بھی جاننے والے ہیں، لہٰذا اپنا مقصود ان موذی دشمنوں سے پوشیدہ رکھو کہ جس سے معاملہ ہے اس کو تو خبر ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ بہت اچھا اے بزرگوار، میں نے آپ کے سامنے توبہ کر لیا، یعنی اظہار اعتقاد کو ترک کر دیا، آگے فرماتے ہیں۔

روزِ دیگر از پگہ صدیق تفت — آں طرف از بہر کارے می رفت
باز احد بشنید و ضربِ زخمِ خار — بر فروزید از دلش شور و شرار
باز پندش داد باز او توبہ کرد — عشق آمد توبہ اورا بخورد

کسی اور دن صبح کے وقت حضرت صدیقؓ سرعت کے ساتھ اس طرف کسی کام کے لئے جا رہے تھے تو پھر انہوں نے احد احد کی آواز کو سنا اور خار دار لکڑیوں سے مارنے کی آواز کو بھی، تو حضرت صدیقؓ کے دل میں اس سے بہت غصہ پیدا ہوا مگر پھر ان کو وہی نصیحت کی اور انہوں نے پھر اظہار ایمان سے توبہ کر لی مگر عشق ایسا غالب آیا کہ ان کی توبہ کو کھا گیا، غرض اسی طرح بہت دفعہ واقع ہوا، بالآخر انہوں نے اپنے ایمان کو اور زیادہ ظاہر کر دیا اور اپنے تن کو بلا و مشقت میں اور زیادہ حوالہ کر دیا اور بزبان حال یہ کہتے تھے۔

اے تنِ من اے رگِ من پُر ز تو — توبہ را گنجا کجا باشد درو
توبہ را زیں پس ز دل بیروں کنم — از حیات خلد توبہ چوں کنم
عشق قہار است و من مقہور عشق — چوں قمر روشن شدم از نور عشق

اس میں حضور ﷺ کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محمد ﷺ! میرا جسم اور میری رگ رگ آپ کے عشق و محبت سے پُر ہے پھر اظہار سے توبہ کی گنجائش اس میں کہاں ہے اس لئے میں ایسی توبہ کو دل سے باہر کرتا ہوں اور حیاتِ جاودانی سے توبہ کیسے کرلوں ؟ عشق بہت غالب آنے والا ہے اور میں اس عشق کا مغلوب ہوں اور مہتاب کی طرح نور عشق سے روشن ہو گیا ہوں، آگے فرماتے ہیں ۔

برگ کاہم پیش تو اے تند باد من چہ دانم تا کجا خواہم فتاد

گر بلالم ور ہلالم میدوم مقتدی بر آفتابت می شوم

ماہ را بازفتی وزاری چہ کار در پئے خورشید پوید سایہ دار

یعنی اے عشق جو کہ مشابہ تند ہوا کے ہے تیرے سامنے میں مثل تنکے کے ہوں مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میں کہاں جاکر گروں گا، اگر میں بلال ہوں تب اور اگر ہلال ہوں تب اے عشق میں تیرے ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہوں اور تیرے آفتاب کا مقتدی بن رہا ہوں، آگے اس کی توضیح ہے کہ عشق مثل آفتاب کے ہے اور میں تابع عشق ہونے میں مثل چاند کے ہوں، اور چاند کو فربہی اور لاغری سے کیا کام وہ تو آفتاب کے پیچھے سایہ کی طرح دوڑا کرتا ہے، اس کے بعد اپنی بیقراری کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں ۔

گر بہ درانبانم اندر دست عشق یکدمے بالا و یکدم پست عشق

او ہمی گردانَدم بر گرد سر نے بہ زیر آرام دارم نے زبر

میں عشق کے ہاتھوں ایسا بے قرار ہوں جیسے تھیلے میں بلی اور عشق میں یہ حالت ہے کہ کبھی اوپر ہوتا ہوں اور کبھی نیچے آتا ہوں، پس وہ مجھ کو سر کے گرد گھماتا ہے، نہ میں نیچے قرار رکھتا ہوں نہ اوپر، مگر پھر بھی میرا یہ حال ہے کہ ۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم　　　تا ابد جاناں چنیں می بایدم

نک ہلالے با بلالے یار شد　　　زخم خار اور اگل و گلزار شد

گر زخم خار تن غربال شد　　　جان و جسم خرمن اقبال شد

مجھ کو نعرۂ مستانہ (یعنی اس حال میں احد احد کہنا) بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اے جاناں! مجھ کو تا ابد ایسا ہی نعرۂ مستانہ مطلوب ہے، اور لو! اب تو ہلال بھی بلال کے ساتھ شریک ہو گیا اور خار دار لکڑیوں کا زخم بلال کے لئے گل و گلزار ہو گیا، اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر کانٹوں کے زخم سے میرا بدن چھلنی ہو گیا تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں اس لئے کہ میری روح اور میری جان شاداں و فرحاں ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں ۔

تن بہ پیش زخم خار آں جہود　　　جانِ من مست و خراب آں ودود

بوئے جانے سوئے جانم می رسد　　　بوئے یارے مہربانم می رسد

یعنی میرا بدن تو اس منکر کی خار دار لکڑیوں کے سامنے ہے مگر میری روح محبوب حقیقی کی عاشق اور اس کے عشق میں مست و سرشار ہے، ایک روح حقیقی کی خوشبو میری طرف آ رہی ہے، یعنی اس مہربان محبوب کی خوشبو مجھ کو پہنچ رہی ہے۔ سبحان اللہ! حق تعالیٰ کے عشق و محبت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کیا

کیفیت ہے کہ کانٹوں کے زخم سے سارا بدن چھلنی ہو چکا پھر بھی توحید پر اٹل ہیں بلکہ ان تکالیف پر راضی اور خوش ہیں اور اس کو گل گلزار سمجھ رہے ہیں، واقعی توحید کی حقیقت ان ہی حضرات پر منکشف اور عشق و محبت کی حلاوت ولذت ان ہی کو حاصل تھی، ہم کو ان سے سبق لینا چاہئے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو مفصلاً بیان فرمایا ہے، مجملاً اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جاکر حضور اقدس ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور ان کو خریدنے کا مشورہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس قیمت پر ممکن ہو ان کو ضرور خرید لو اور مجھ کو بھی اس کار خیر میں شریک کرلو، الغرض حضرت صدیقؓ نے منہ مانگی قیمت دے کر ان کو اس کافر شقی سے خرید لیا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لاکر ان کو لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو کسی نے اردو میں بھی نظم کیا ہے، اس کے بعض حصہ کو بھی پڑھتا ہوں جس سے آپ سمجھ لیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اتنی سزاؤں اور تکلیفوں کے باوجود کس قدر راضی تھے اور اس حالت میں بھی ان کی کیا کیفیت تھی، ذرا توجہ سے سنئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں ؎

پتھروں سے ہو رہا ہوں پائمال		خون اب دینے لگا ہے بال بال
ہر رگ و ریشہ میں کانٹے چبھ گئے		اور جلا جاتا ہوں اب میں آگ سے

ان عذابوں کی مجھے پروا نہیں　　ان تکالیفوں سے دل دکھتا نہیں
آگ میں مجھ کو جلا ڈالیں تو کیا　　خاک بھی میری اڑا ڈالیں تو کیا
دفتر عشاق میں لکھ لے مجھے　　چاہے پھر جتنی توایذا دے مجھے
دیکھ پھر کس شوق سے لیتا ہوں میں　　جان کو کس شوق سے دیتا ہوں میں

ذرا دیکھئے! اگر تمنا ہے تو بس یہ ہے کہ اپنے عشاق میں میرا نام لکھ لے، اللہ کے چاہنے والوں میں محمد ﷺ کے چاہنے والوں میں شامل کرلیا جائے، پھر چاہے جتنی بھی ایذائیں دی جائیں جان و دل سے منظور ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مرنا میری معراج ہے، اللہ کی راہ میں جان دے دینا میرا مطلوب ہے، حضور اقدس ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کردینا میرا مقصود ہے۔

اے محبت کا دعویٰ کرنے والو! کان کھول کر سنو! اور اگر اپنے دعوی میں سچے ہو تو اس معیار پر آؤ اور تم بھی دکھاؤ کہ تم کو اللہ و رسول ؐ سے کتنی محبت ہے، صحابۂ کرام ؓ نے اپنے حالات سے جو حضور اقدس ﷺ کی محبت کا ثبوت دیا ہے قیامت تک کے لئے معیار قائم فرمادیا، اب اسی معیار سے سچے جھوٹے کا فرق معلوم کیا جائے گا، محض زبان سے محبتِ رسول کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اس معیار پر اترنا بہت مشکل ہے۔

ایک صحابیہ ؓ کا واقعہ سنئے! جب وہ ایمان لائیں اور کلمہ پڑھا تو تھوڑے دنوں

کے بعد ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، مشرکین مکہ نے ان کو یہ طعنہ دیا کہ لات وعزیٰ نے تم کو یہ سزا دی ہے جو تمہاری آنکھ پھوٹ گئی، اس عورت نے جواب دیا کہ اگر میری دوسری آنکھ بھی پھوٹ جائے تب بھی یہی سمجھوں گی کہ اللہ کے حکم سے میری آنکھ پھوٹی، لات وعزیٰ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ایمان لانے کے بعد تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مؤمن اسی حال میں راضی رہتا ہے جس میں اس کا مولیٰ رکھے، جان جائے تو کیا، عزت جائے تو کیا، مال جائے تو کیا سب کچھ ہو جائے تو کیا، اس کلمہ پر وہ سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو، یہ کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ جنت کی کنجی ہے بڑا وزنی اور بڑا ہی قیمتی ہے، مگر جب دل سے ایمان لاوے اور جو کچھ زبان سے کہتا ہے اس پر یقین بھی حاصل ہو۔

حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے جاں نثار صحابہ میں سے تھے، ان کا بھی ایک واقعہ بہت عبرتناک ہے، ایک مرتبہ مشرکین مکہ کی ایک جماعت نے آکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے خود کو مؤمن ظاہر کیا اور آپ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ساتھ کچھ قاریوں کو کر دیجئے جو ہم کو قرآن سکھایا کریں، حضور اقدس ﷺ نے ان کے ساتھ کچھ قاریوں کو کر دیا، جن کی تعداد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، دس کی بھی روایت ہے اور بیس کی بھی، ان قاریوں میں حضرت خبیب ؓ بھی تھے، جب ان کو لے کر چلے تو راستہ میں بد عہدی کی اور ان میں سے اٹھارہ کو شہید کر دیا اور دو

کو مکہ تک لے گئے، وہاں پہنچ کر ان میں سے بھی ایک کو شہید کر ڈالا اب صرف حضرت خبیبؓ باقی رہ گئے ان کو مکہ معظّمہ میں قید کر دیا تھا کچھ دنوں کے بعد ان کو سولی دینے کا فیصلہ کیا، چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ اے خبیبؓ! تم کو اب سولی دی جائے گی، کیا تم اب بھی اسلام پر ثابت قدم رہو گے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے سولی گوارا ہے مگر اسلام کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا، پھر ان سے پوچھا گیا کہ اچھا بتاؤ اس وقت تم کو کوئی خواہش ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اور تو کوئی خواہش نہیں، صرف یہ خواہش ہے کہ مجھے پانی دے دو تاکہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لوں، ذرا غور کیجئے! ہم لوگ ذرا ذرا سی بات میں نماز ترک کر دیتے ہیں اور خدا کے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کو دیکھئے کہ جان کی بازی ہے، سولی دی جانے والی ہے مگر فرما رہے ہیں کہ وضو کے لئے پانی دے دو، چنانچہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آپ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ابھی اور دیر تک نماز پڑھوں مگر تم لوگ کہو گے کہ میں جان کے ڈر سے نماز طویل پڑھ رہا ہوں تاکہ کچھ دیر اور زندگی باقی رہے اس لئے اب بخوشی سولی پر جا رہا ہوں، جانتے ہیں پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ مشرکین مکہ کے ستر جوان آئے اور بیک وقت ہر طرف سے ان کے جسم میں نیزے چبھونے لگے، ہم کو اگر ایک کانٹا چبھ جائے تو ہمارا آپ کا کیا حال ہو جاتا ہے اور ان کو دیکھئے کہ ستر نیزے بیک وقت چبھوئے گئے اور اس وقت ان سے پوچھا گیا کہ اے خبیب! اب تو تم پسند کرتے ہو گے اور دل

میں سوچتے ہوگے کہ تم اپنے گھر پر آرام سے ہوتے اور تمہاری جگہ اس وقت تمہارے نبی ہوتے، تو وہ جواب دیتے ہیں ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو سلامت رکھے، میرے ماں باپ بھی آپ پر قربان! میں اس حال میں بھی ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ حضور اقدس ﷺ کے ایک کانٹا بھی چبھے، یہ تھا عشق رسول !!! اور اس وقت سولی پر بیٹھ کر انہوں نے فی البدیہہ عربی کے یہ اشعار پڑھے ۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِماً عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِی
وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالٍ شُلْوٍ مُمَزَّعٍ

اسی مضمون کو ایک اردو شاعر نے اردو میں نظم کیا ہے اس کو بھی پڑھتا ہوں ۔

جب مسلماں رہ کے دنیا سے چلوں مجھے کیا ڈر ہے کسی کروٹ گروں
میرا مرنا ہے خدا کی راہ میں وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ٹکڑے اب ہو جائے گا اسکے ہر جوڑوں پہ برکت دے فزوں

وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ میرا مرنا خدا کیلئے ہے اور اب میرا اللہ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! میرا اسلام میرے محبوب ﷺ کو جو مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں پہنچا دیجئے، اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت پہنچے اور خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچایا، آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، صحابۂ کرام بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ

نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی خبیب کو سولی دے دی گئی، یہ سن کر صحابہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،

استقامت اس کو کہتے ہیں کہ سولی دی جارہی ہے اور اس پر محبت رسولؐ میں اشعار پڑھتے ہوئے جان قربان کر دی، اس وقت اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

یہ معراجِ محبت ہے یہ اعجازِ محبت ہے
ہزاروں زخم کھا کر مسکرانا، شادماں رہنا

بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، طرح طرح کی مصیبت آئے فقر و فاقہ ہو، کانٹے چبھوئے جائیں، حتیٰ کہ سولی دے دی جائے مگر اللہ کے سچے بندے ہر حالت میں یہی کہتے ہیں کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ اس کلمہ کو ایسی مضبوطی سے پکڑتے ہیں کہ کوئی چیز ان کو جنبش نہیں دے سکتی، اور کوئی طاقت ان کو اس سے ہٹا نہیں سکتی، یہی وہ قوم تھی جن کے تین سو تیرہ آدمی بدر کے میدان میں ایک ہزار کے ایسے لشکر کفار کے مقابلہ کے لئے آئے تھے جن کے پاس سارا اسلاح و ہتھیار بھی تھا اور ہر طرح منظّم اور مستحکم ہو کر آئے تھے، ادھر صحابہؓ کے پاس صرف آٹھ تلواریں اور تین گھوڑے تھے، یہ بے سر و سامان خدائی لشکر محض اللہ کی نصرت و مدد کے بھروسے میدان جنگ میں آکھڑا ہوا، جب بدر کے میدان میں پہنچے ہیں تو مسلمانوں نے ایک بلند مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خیمہ نصب کر دیا تھا جہاں سے پورا معرکہ بدر نظر آتا تھا، اس خیمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ تشریف رکھتے

تھے، اور حضرت سعد ابن معاذؓ ننگی تلوار لے کر اس کے سامنے پہرہ دیتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی حفاظت کرتے تھے، جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور چند صحابہؓ شہید بھی ہوگئے تو جناب رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گر پڑے اور بکمال زاری اللہ جل جلالہ کی جناب میں عرض و معروض کرنے لگے، اس وقت حضور اقدس ﷺ دعا میں اس طرح مشغول تھے کہ استغراق کا عالم طاری تھا، چنانچہ آپ ﷺ کی چادر مبارک شانے سے گر گئی مگر آپ ﷺ کو خبر نہ ہوئی اور اسی طرح گریہ وزاری میں مشغول رہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے چادر کو شانہ مبارک پر درست کر دیا، آپ ﷺ دعا میں یہ الفاظ فرمارہے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ اَبَداً" اے اللہ! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر آپ کی عبادت کبھی نہ ہوگی یعنی روئے زمین پر یہی مٹھی بھر جماعت ایسی ہے جو اللہ کے حکموں پر فدا ہونے والی، رسولؐ کے حکموں پر مر مٹنے والی ہے، اگر یہ ہلاک ہو جائیں گے تو پھر روئے زمین پر کوئی آپ کا نام لینے والا نہ رہ جائے گا، اور اگر یہ لوگ فنا ہو جائیں گے تو آج سے آپ کی پرستش موقوف ہو جائے گی، حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب اب بس کیجئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی، میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان سے فرشتے مدد کے لئے آرہے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو فتح دے گا، اس وقت آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ

الدُّبُرَ﴾ یعنی عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی، چنانچہ اسی پیشین گوئی کے مطابق ہوا، کفار مغلوب ہوئے اور مسلمان غالب ہوئے، اس مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ذرا صدیق کی فراست تو دیکھو کہ نبی ﷺ کے قدم کے نیچے کھڑے ہیں، اُدھر آسمان پر فرشتوں کو حکم ہوا اِدھر ان کو معلوم ہو گیا، واقعی حضرت ابو بکرؓ کی شان ہی جداگانہ اور نرالی تھی اور یقیناً آپ قدم نبوت پر تھے۔

مولانا اصغر حسین صاحب دیو بندیؒ جو ہمارے اکابر میں سے تھے بڑے محدث تھے، انہوں نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اندر کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جس میں صحابہ کرامؓ کی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت والفت کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے اور خصوصاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان فدائیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعوئ الفتِ احمد تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

جس وقت حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تھا تو آپ نے حضرت علیؓ کو

اپنی جگہ بستر پر لٹادیا اور بقصد ہجرت روانہ ہوئے، جب مکان سے باہر نکلنے لگے تو مشرکین مکہ باہر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو شہید کرڈالیں، مگر آپ انہیں کے سامنے سے "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" پڑھتے ہوئے نکل گئے اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، پھر جاکر ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور تشریف لے چلے اور غار ثور میں پہنچے، جب آپ غار کے اندر داخل ہوئے تو اس کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دے دیئے، مشرکین تعاقب میں نکلے اور نشانات قدم دیکھ کر غار تک پہنچ گئے اور ان کے قیافہ شناس نے بتایا کہ اس سے آگے نہیں بڑھے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے غار کے اندر سے دیکھا تو وہ لوگ سامنے دکھائی دے رہے تھے اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر یہ لوگ نیچے اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے آپ نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم مت گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس جگہ صدیق اکبرؓ کی جاں نثاری کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس غار کے اندر بہت سے سوراخ تھے جن کو بند کرنے کا سامان اس طرح کیا کہ اپنی چادر کے ٹکڑے کرکے سب سوراخوں میں ٹھونس دیئے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا اس کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو اس کو اپنے پیر کے انگوٹھے سے بند کرکے حضور اقدس ﷺ کے سر کو اپنے زانو پر رکھ کر استراحت کے لئے لٹادیا اور آپ کو تکان کی وجہ سے نیند آگئی، اتفاقاً سوراخ سے ایک سانپ نکل کر

حضرت صدیق اکبرؓ کے انگوٹھے میں ڈسنے لگا مگر ابو بکر صدیق نے اپنے پاؤں کو ذرا بھی جنبش نہیں دی کہ ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی آنکھ کھل جائے اور آپ کے آرام میں خلل پڑے لیکن شدت تکلیف کی بناء پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس کے قطرات چہرۂ انور پر گر پڑے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، ابو بکر صدیق کو دیکھا تو چہرے کا رنگ متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو واقعہ ذکر کیا آپ ﷺ نے انگوٹھے میں اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے سب تکلیف کافور ہو گئی۔

دیکھا آپ نے! یہ ہیں ابو بکر صدیق غار میں جانے والے اور یہ ہے ان کی جاں نثاری کا عالم، آج ہے کوئی جو اس کی نظیر پیش کر سکے، دعویٰ کرنا بہت آسان ہے مگر امتحان میں سچا اترنا بہت مشکل ہے، ہمارے اسلاف واکابر نے البتہ سچی محبت کا نمونہ پیش کیا ہے اور امتحان کے موقع پر سچے اترے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ جو ائمہ اربعہ میں بڑے مشہور امام ہیں مدینہ طیبہ میں ان کا قیام تھا اور اس سر زمین پاک کے ادب کا یہ حال تھا کہ قضائے حاجت کے لئے مدینہ سے باہر بہت دور تشریف لے جاتے اور باوجودیکہ آپ کے پاس اونٹ اور سواریاں تھیں مگر غایت ادب کی وجہ سے سر زمین مدینہ میں پیدل چلتے تھے اور اس کی وجہ خود بیان فرماتے تھے کہ یہ وہ سر زمین ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں، یہاں سوار ہو کر چلنا بے ادبی ہے۔

انہیں امام مالکؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے،

راستہ میں ایک آدمی ان سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ مجھ کو ایک حدیث سنا دیجئے تو امام صاحب نے تنبیہاً اس کو دس کوڑے لگائے اور فرمایا کہ اے بے ادب! حدیث رسول کہیں اس طرح سنی جاتی ہے وہ بھی ایسا عاشق تھا اور حدیث سننے کے لئے اس قدر بے تاب تھا کہ اس نے کہا حضرت دس کوڑے اور مار لیجئے مگر مجھ کو حدیث سنا دیجئے، اس کے جواب کو سن کر امام مالکؒ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور وضو کر کے ادب کے ساتھ بیٹھ کر اس کو حدیث سنایا۔

امام مالکؒ ہی کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ایک بچھو آپ کے کرتے کے اندر گھس گیا اور ڈنک مارنے لگا، تکلیف کے اثر سے چہرہ زرد ہو گیا، ظاہر ہے بچھو کے ڈنک مارنے سے کیسی تکلیف ہوئی ہو گی مگر آپ علیٰ حالہٖ حدیث پڑھانے میں مشغول رہے، جب درس سے فارغ ہوئے تو حسب معمول دعا فرمائی، جب اس سے بھی فارغ ہوئے تو کرتا اتار کر خادم کو دیا اور فرمایا کہ دیکھو اس میں کیا ہے؟ خادم نے دیکھ کر بتایا کہ حضرت اس میں تو بچھو ہے، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے اس بچھو نے مجھ کو سترہ مرتبہ ڈنک مارا مگر مجھے شرم معلوم ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کو چھوڑ کر اپنی تکلیف بیان کروں کہ یہ خلاف ادب ہے۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے سچی محبت اور کمال ادب کا نمونہ، ہمارے اسلاف ایسے ہی تھے، جب اس درجہ کا ادب تھا تب مسلمان دنیا میں چمکے، صحابہ کرام اور محدثین عظام کا یہ حال تھا کہ جب وہ سنتے تھے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" تو

ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، قلوب لرز جاتے تھے، ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے یا حدیث پڑھی جائے، اللہ و رسول کا ذکر کیا جائے تو قلوب لرز جائیں، بڑے بڑے خلفاء اور سلاطین کے حالات میں لکھا ہے تاریخ کی کتابوں میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جب کبھی ان پر کسی وجہ سے غصہ و جلال طاری ہوتا تھا اور کسی کو سزا دینا چاہتے تھے پھر اسی حالت میں اگر دربار میں سے کوئی شخص درود شریف پڑھ دیتا تو فوراً غصہ ٹھنڈا ہو جاتا کہ اب حضور ﷺ کا نام آگیا اس کے بعد غصہ مناسب نہیں۔

آپ کو کیا معلوم کہ اسلام کس کس طرح سے پھیلا اور صحابہ کرام اور ہمارے اسلاف نے کیسی کیسی جاں نثاری کی، انہوں نے سب کچھ دین محمدی پر قربان کر دیا تب دنیا میں اسلام پھیلا، آج دعویٰ محبت بہت ہے مگر نہ تو تعلیمات نبوی کا ادب ہے اور نہ احکام رسول کی رعایت، ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ناجائز کاموں میں اپنا مال خرچ کرنے کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں، ناجائز کسب کرتے ہیں سودی کاروبار کرتے ہیں اور محض لہو و لعب میں صرف کرنے کے لئے اور خرافات میں ضائع کرنے کے لئے سودی قرض بھی لیتے ہیں حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ سود لینے والے اور سود دینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَا تَاْكُلُوْا الرِّبٰوا ﴾ یعنی سود مت کھاؤ اور فرماتے ہیں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ یعنی پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار

سن لو جنگ کا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، نیز فرماتے ہیں ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام قرار دیا۔

اسی بناء پر حضرت عمرؓ دُرّہ لے کر بازاروں میں گھومتے تھے اور یہ اعلان فرماتے تھے کہ اے لوگو! مسائل سیکھ لو ورنہ سود میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ حکم جاری فرمادیا تھا کہ بغیر مسائل سیکھے ہوئے کوئی شخص بازار میں نہ بیٹھے۔

بھائی! خرید و فروخت سے متعلق بھی بہت سے مسائل ہیں جن کا سیکھنا ضروری ہے ورنہ ہمارے بہت سے معاملات ناجائز ہوں گے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوگی، بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ سودی قرض لے کر آج مسلمان اپنے کو تباہ کرتا ہے، شادیوں میں معلوم نہیں کتنی مراسم ہوتی ہیں جو خلاف شرع ہیں، آج ہم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح بھلادیا، بھائی! اگر وہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ حدودِ شرع میں رہیں اپنے کو اسراف سے بچاویں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ یعنی بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

قیامت میں پوچھا جائے گا کہ مال کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا، یہ ہرگز نہ سمجھو کہ ہمارا مال ہے ہم جہاں چاہیں خرچ کریں، بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا چاہئے جہاں خرچ کرنے کی اللہ و رسول نے اجازت دی ہے، اور اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا تو کیا کہنا، مگر ہمارا حال اس کے برعکس ہے، اللہ کی راہ میں تو بخیل بنے

ہوئے ہیں اور دنیاو مراسم میں بڑے سخی ہو جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس مال کے متعلق ہم سے سوال کیا جاوے گا اللہ تعالیٰ اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھیں گے تو ہم کیا جواب دیں گے، حضرات صحابہ اس سے بہت ڈرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، حضرت فاروق اعظمؓ اپنے حجرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور چراغ جلا کر کچھ لکھ رہے تھے اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لائے اور داخلہ کی اجازت چاہی، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے یا امور خلافت سے متعلق کوئی کام ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس وقت تو مجھ کو اپنے ذاتی امور سے متعلق گفتگو کرنی ہے تو آپ نے دروازہ کھول دیا اور فوراً ہی چراغ بھی گل کر دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا کہ آپ نے میرے آتے ہی یہ چراغ کیوں گل کر دیا؟ تو فرمایا کہ بھائی یہ چراغ بیت المال کا ہے اس کو امور خلافت میں تو صرف کیا جاسکتا ہے لیکن اس وقت ہماری گفتگو ذاتی امور میں ہو گی اس لئے اس میں بیت المال کی روشنی استعمال کرنا خیانت ہے۔

مسلمان ذرا کان کھول کر سنیں اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں آج مسلمان معلوم نہیں کتنی خرافات میں مال کو بے دریغ صرف کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ان سے سوال ہی نہ ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (پ ۳۰) قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اگر یہی ایک سورت نازل ہوئی ہوتی تو ہدایت کے لئے کافی تھی اس لئے کہ اس چھوٹی سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بیان فرمادیا ہے، فرماتے ہیں کہ قسم ہے زمانہ کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے تاکہ وقت کی اہمیت معلوم ہو مگر ہم ایسے غافل ہیں کہ ہم کو کچھ پتہ نہیں، زندگی برف کی طرح گھلتی اور کم ہوتی جارہی ہے، ہمارے گناہ بڑھتے جارہے ہیں، طاعات کا پتہ ہی نہیں، ہم کو اللہ کے سامنے جانے کا کھٹکا ہی نہیں، قیامت کا یقین نہیں، گناہ کرکے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کرکے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو ترک کرکے ہم مطمئن ہیں اور فاروق اعظمؓ کو دیکھئے جن کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، ان کی رائے کے مطابق وحی آتی تھی مگر ان کے خوف ورجاء کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت میں یہ ندا ہو کہ دوزخ میں صرف ایک آدمی جانے والا ہے تو مجھ کو خیال ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جنت میں جانے والا صرف ایک ہی شخص ہے تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں۔

خواجہ حسن بصریؒ کا نام آپ نے سنا ہوگا کتنے بڑے محدث تھے، اللہ

تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے عاشق رسول تھے، ان کا حال سنئے.....

ایک مرتبہ حدیث پڑھا رہے تھے حدیث میں ذکر آیا کہ جہنم سے جو شخص سب سے اخیر میں نکالا جائے گا وہ، وہ شخص ہوگا جو پچاس ہزار سال کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، تو فرمایا کاش وہ شخص میں ہی ہوتا، کیونکہ اس کے لئے وعدہ تو ہے کہ وہ جہنم سے نکالا جائے گا۔

یہ دیکھئے! اللہ کی اطاعت کر کے، اس کی بندگی اور فرماں برداری کر کے، تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے یہ حضرات رو رو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور پھر بھی مطمئن نہیں تھے، اور ہم ہیں کہ ہزار نافرمانی کر کے بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ہم کو چاہئے کہ اس تجارت کو اختیار کریں جس پر اللہ تعالیٰ یہ وعدہ فرما رہے ہیں کہ ﴿ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ یعنی یہ سوداگری تم کو ایک دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

حضرت طاؤسؒ جو ایک بڑے درجہ کے تابعی ہیں ان کے خوف کا یہ حال تھا کہ جب رات میں اپنے بستر پر جاتے تو نیند نہیں آتی تھی اور تڑپ تڑپ کر اٹھ جاتے تھے اور اس مضمون کا شعر پڑھتے تھے کہ عابد کی نیند یاد جہنم میں اڑ گئی، جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے تو یہی حال ہوتا ہے اور بندہ قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے اور اگر از راہ بشریت اس سے نادانی ہو جاتی ہے تو نادم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا گڑگڑاتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ بندہ کتنا ہی گناہ کرتا ہے مگر جب نادم

ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو معاف فرمادیتے ہیں واقعی ایسے مولیٰ پر تو قربان ہو جانا چاہئے اور یہی نہیں کہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں بلکہ جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کی جتنی برائیاں ہیں ان کو نامۂ اعمال سے مٹادو اور ان کی جگہ حسنات درج کردو ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں اور فرماتے ہیں ﴿فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ یہ توبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں، سبحان اللہ! حق تعالیٰ کی ان عنایات پر قربان ہو جانا چاہئے۔

آؤ اب قیامت کے دن کو سمجھو! جس دن کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس دن کیا چیز کام آوے گی؟ نہ مال کام آوے گا، نہ اولاد کام آوے گی، نہ جائداد کام آئے گی، یہ سب کچھ کام نہیں آئے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ یعنی وہ دن ایسا ہوگا کہ نہ مال نفع دے گا نہ اولاد کام آئے گی بجز ان لوگوں کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آویں گے، یعنی جن کا قلب پاک ہوگا، قلب سلیم ایسے قلب کو کہتے ہیں جس میں شرک نہ ہو، ریا نہ ہو، حسد نہ ہو، کبر نہ ہو، کینہ نہ ہو، بغض نہ ہو حاصل یہ کہ سب رذائل اور بری چیزوں سے وہ پاک ہو اور اس قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جس میں روگ نہ ہو، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی کام تھا کہ قلب کو درست

کرتے اور اللہ کی محبت قلوب میں پیدا فرمادیتے تھے، حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت سے صحابہ کرامؓ کے اندر اللہ تعالیٰ کی کیسی کچھ محبت پیدا ہو گئی تھی کہ اللہ کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، آپ نے بیسیوں مرتبہ سنا ہو گا مگر خالی سننے سے کیا ہوتا ہے اس کو سمجھئے اور سبق حاصل کیجئے، کیا نہیں معلوم کہ غزوۂ تبوک میں حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال پیش کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا کل مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، ہمارے علماء اپنے وعظوں میں ان واقعات کو سناتے بھی ہیں اور ہم برابر سنتے بھی ہیں مگر کچھ کر کے بھی تو دکھلائیں، آج تو ہمارا یہ حال ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ بھی حساب کر کے پوری پوری نہیں نکالتے، شریعت میں نماز کی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے، کیا نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جہاد کروں گا، صحابہ کرام نے آپ کو نرمی کا مشورہ دیا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا کہ آپ ابھی نرمی کیجئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں تو سخت تھے اور اسلام میں اتنے نرم ہو گئے؟ خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اونٹ کی ایک رسی بھی دیتا تھا اس کے دینے سے بھی اگر وہ گریز کرے گا تو میں اس سے جہاد کروں گا اور اگر کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا جہاد میں چلا جاؤں گا، تو پھر تمام صحابہ کرام متفق ہو گئے اور کہا کہ ہم سب آپ کے ساتھ

ہیں یہ تو مشورہ کا درجہ تھا اس لئے اتنا کہہ دیا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کی طرح ﴿اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ بھی فرمایا ہے تو پھر اب نماز وزکوۃ میں فرق کیسا؟ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ یعنی جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہو گی۔

صحابہ اور تابعین کا حال تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ ان کو قرآن سے کتنا لگاؤ اور شغف تھا، ارے ہم اپنے ہی بزرگوں کے حالات کو اگر دیکھیں تو ہمارے سبق حاصل کرنے کے لئے کافی ہے ہمارے حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ جو اس آخری دور کے بہت بڑے بزرگ ہیں آپ محدث بھی ہیں، فقیہ بھی اور بہت بڑے درجہ کے ولی اور بہت بڑے صاحب نسبت ہیں، ان کی کیا کیفیت تھی سنئے! مولانا محمد علی مونگیریؒ جو ان کے خلفاء میں سے ہیں ان سے حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ جو مزہ ہم کو قرآن میں ملتا ہے اور جو کیف تلاوت میں حاصل ہوتا ہے اگر تم کو ملے تو تم برداشت نہ کر سکو اور اپنے کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ، نیز فرماتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حورانِ جنت میرے پاس آویں گی تو ان سے کہوں گا کہ بیبیو! بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھتا ہوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے کسی چیز میں نہیں۔

حضور اقدس ﷺ ایک دفعہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے شب کے وقت جنگل میں قیام ہو گیا آپ ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصاری دو صحابیوں کو رات میں پہرہ کے لئے مقرر فرمادیا اس لئے کہ دشمن ہر وقت گھات میں رہتے تھے، ان دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ آدھی رات تک ایک آدمی جاگے اس کے بعد وہ اپنے دوسرے ساتھی کو جگادے، چنانچہ ان میں سے ایک تو سو گئے اور دوسرے نے سوچا کہ بیکار جاگنے سے کیا فائدہ، لاؤ نماز ہی پڑھیں، اس طرح پہرہ بھی ہو جائے گا اور اتنا وقت بھی نماز میں گذرے گا، آج ہم لوگ اِدھر اُدھر بیٹھ کر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں اور صحابیٔ رسول ؐ کو دیکھئے فرماتے ہیں کہ وقت کو کیوں ضائع کریں نماز ہی پڑھیں، جب انہوں نے نماز میں قرآن پڑھنا شروع کیا تو جو دشمن گھات میں لگے تھے ان میں سے کسی نے آواز کا اندازہ کر کے تیر مارا اور وہ تیر ان کے سینے میں آکر لگا، انہوں نے وہ تیر نکال کر پھینک دیا اور اپنی تلاوت جاری رکھا، پھر دوسرا تیر آکر لگا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا، اسی طرح تیسرا لگا اس کو بھی نکال کر پھینکا، پھر رکوع و سجود کر کے اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے دوسرے ساتھی کو جگایا اور کہا کہ دیکھو خون جاری ہے انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو بتایا کہ اس طرح تیر لگا، انہوں نے کہا جب تم کو پہلا تیر لگا تھا اسی وقت تم نے مجھ کو کیوں نہیں جگا دیا؟ جواب دیا کہ بھائی مجھ کو تو قرآن کی تلاوت میں ایسی لذت آرہی تھی اور یہ جی چاہتا تھا کہ تیر پر تیر

لگے اور نماز ہی کی حالت میں تلاوت کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں مگر یہ سوچ کر کہ حضور ﷺ نے پہرہ کے لئے مقرر فرمایا ہے اگر اس وقت شہید ہو جاؤں گا تو یہ کام کون انجام دے گا اس لئے میں نے نماز ختم کر کے تم کو جگایا۔

دیکھا آپ نے! یہ تھی صحابہ کی نماز اور ان کی تلاوت، نماز میں جو لذت و حلاوت ان کو حاصل تھی ہم لوگوں کو اس کا کیا پتہ، نماز تو مؤمن کی معراج ہے مگر ہم لوگ اس کی طرف سے بہت غافل ہیں ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسجدیں تو خوب مزین ہیں مگر نمازی غائب ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں مساجد تو بہت ہوں گی اور ان میں خوب نقش و نگار ہو گا مگر وہ ویران پڑی ہوں گی یعنی نمازی نہ ہوں گے اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہوں گے ان کے اندر وہ کیفیت نہ ہو گی، ان کی نماز خشوع سے خالی ہو گی، اس میں لذت و حلاوت کا کہیں پتہ بھی نہ ہو گا، اب ہم اپنی نمازوں میں ذرا غور کر لیں کہ ہماری نماز کیسی ہوتی ہے، اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو مرزا بھی ہو سید بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلماں بھی ہو

مسلمان تو گردن جھکا دینے والا، اللہ ورسولؐ کے حکموں پر مر مٹنے والا، جان ومال کو قربان کر دینے والا اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والا ہوتا ہے اور اسی تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے وہ اللہ کا محبوب اور دوست بن جاتا ہے، یاد رکھئے کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی کہ آدمی اللہ کا دوست اور محبوب بن جائے، آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے ولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَهُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ط لاَ تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ج ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا محبوب بن جانا، ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا یہ ہے فوز عظیم، لکھ پتی ہو جانا اور دنیا کا بہت مال و متاع جمع کرلینا یہ فوز عظیم نہیں ہے، اور اللہ کے جو محبوب بندے ہوتے ہیں ان کی سب سے بڑی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ جو ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، ان کے خوف کا

یہ حال تھا کہ جب صبح کو اٹھتے تھے تو آئینہ لے کر اس میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے جب لوگ پوچھتے کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں تو فرماتے کہ بھائی میں ڈرتا ہوں کہ گناہوں کی وجہ سے کہیں میرا چہرہ سیاہ نہ ہوگیا ہو۔

دیکھا آپ نے! باوجود انتہائی تقویٰ اختیار کرنے کے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ حال تھا، انہیں کا ایک دوسرا واقعہ سنئے، آپ ایک مرتبہ کسی کے یہاں تقریب میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک سرمہ دانی رکھی ہوئی ہے، پوچھا یہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ چاندی کی ہے تو فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہاں چاندی کی سرمہ دانی استعمال ہوتی ہے اس لئے ایسے گھر میں دعوت نہیں کھاتا اور واپس جاتا ہوں یہ کہہ کر اٹھے اور وہاں سے چل دیئے۔

یاد رکھو! ایک آدمی اگر کوئی گناہ کا کام کرتا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ہو جاتا ہے تو وہ بھی گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی برادری کو، دوستوں کو تو ناراض نہیں کر سکتے مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کر لیتے ہیں۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ جو دلی میں تھے، تبلیغی جماعت انہیں کی طرف منسوب ہے وہ فرماتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ شادی بیاہ میں بھائی بند کو راضی کرتے ہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے دشمنی اور بگاڑ ہوتا ہے ایسے موقعوں پر ان کو سو طرح خوشامد کر کے راضی کرتے اور مناتے ہیں

حتیٰ کہ پرجوں کو بھی راضی کرتے ہیں ایسے وقت میں وہ بھی اکڑ جاتے ہیں کہ آج تقریب ہے ہم کچھ لے کر رہیں گے اور آپ ان کو دے کر خوش کرتے ہیں اسی کو مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ قیامت نہیں ہے کہ برادری کو راضی کرتے ہو اور پرجوں کو راضی کرتے ہو مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہو۔

کہاں ہے امت !!کہ خدا ناراض ہو جائے تو پرواہ نہیں ، رسولؐ ناراض ہو جائے تو پرواہ نہیں، قرآن کے خلاف کرے تو پرواہ نہیں، حدیث کے خلاف کرے تو پرواہ نہیں، کیا اسی کا نام ایمان ہے ؟اور مؤمن کی یہی شان ہے ؟ صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت اسی کی فکر رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے راضی کریں اور حضور اقدس ﷺ کو کیسے خوش رکھیں، ہائے افسوس! مسلمان کہاں پہنچ چکے ہیں!

غزوۂ تبوک میں جب کہ شدت کی دھوپ کا زمانہ تھا، کھجور بھی پک رہے تھے، منافقین اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے اور تین مخلص صحابی بھی رہ گئے تھے انہوں نے یہ خیال کیا کہ بعد میں جا کر حضور ﷺ کے ساتھ ہو لیں گے مگر نہیں جا سکے اور حضور ﷺ منزل بہ منزل وہاں پہنچ گئے، جب مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو منافقین نے آکر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کئے اور آپ نے ان کے ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے اولاً قبول فرمالیا پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی قلعی کھول دی اور سب منافقین رسوا ہوئے، مگر یہ تین صحابی جو سچے اور مخلص تھے انہوں نے آکر حضور ﷺ

کے سامنے اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کر لیا کہ اے اللہ کے محبوب! ہمارے پاس سواری بھی تھی اور ہتھیار بھی تھے، سب انتظام تھا کوئی عذر نہ تھا، محض سستی کی بناء پر ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے، اللہ کے محبوبؐ نے اتنی ہی بات پر حضرت کعبؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے بارے میں جو کہ بدر میں شریک ہونے والے، اُحد میں شریک رہنے والے، نماز پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے سب کچھ تھے مگر ایک مرتبہ سستی سے جہاد میں نہیں شریک ہوئے تو آپ ﷺ نے سب کو حکم فرمادیا کہ کوئی ان سے کلام نہ کرے، چنانچہ وہ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے مگر نہ تو کوئی ان کو سلام کرتا تھا اور نہ ان کے سلام کا جواب دیتا تھا، حضور ﷺ کو سلام کرتے تھے تو آپ ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے، کعب بن مالکؓ خود ہی نقل فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا، ابو قتادہؓ میرے چچازاد بھائی تھے اور ہم دونوں میں نہایت محبت تھی، میں ان کے پاس چلا گیا اور ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب تک نہیں دیا اور منہ پھیر لیا، میں نے کہا ابو قتادہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا و رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک کا میرے دل پر کوئی اثر نہیں، پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے، ابو قتادہؓ نے اب بھی جواب نہ دیا، جب میں نے تین بار اسی بات کو دہرایا تو صرف اتنا جواب دیا کہ "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" یعنی اللہ اور رسول ہی کو خوب معلوم ہے، مجھے بہت ہی رقّت ہوئی اور میں خوب ہی رویا، اس کے بعد شہر کو لوٹ کر آیا اور مدینہ کے بازار

سے گذر رہا تھا تو دیکھا کہ ایک قبطی جو شام سے غلہ فروخت کرنے کے لئے آیا تھا یہ اعلان کر رہا تھا کہ مجھے کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتلادے، لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کر دیا، چنانچہ وہ قبطی میرے پاس آیا اور غسان کے عیسائی بادشاہ کا ایک خط دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سردار نے تم پر انتہائی ظلم کر رکھا ہے اور سخت بے وفائی کا معاملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس ذلت اور ناقدری کی جگہ نہ رکھے، سو اگر تم وہاں سے منتقل ہونا چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری ہر طرح غم خواری اور مدد کریں گے، جب میں نے عیسائی بادشاہ کے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی میری ایک آزمائش ہے اور اس سے مجھے بہت صدمہ ہوا کہ میرے بارے میں کافر لوگ طمع کرنے لگے، پھر میں نے اس خط کو تنور میں ڈال کر نذر آتش کر دیا، ابن عابد کی روایت ہے کہ کعب بن مالکؓ نے اس خط کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میرا یہ حال ہو گیا ہے اور میں اس نوبت کو پہنچ گیا کہ میری طرف مشرکین رغبت کرنے لگے اور اپنی طرف مائل کرنے کے خواہش مند ہونے لگے، بہر حال کعب بن مالکؓ پر اسی حالت میں چالیس دن گذرنے کے بعد حضور ﷺ کے قاصد خزیمہ ابن ثابتؓ یہ حکم لے کر پہنچے کہ اپنی اہلیہ سے علیحدگی اختیار کر لو، انہوں پوچھا کہ طلاق دے دوں؟ تو کہا کہ نہیں بلکہ بیوی سے علیحدہ رہیں اس سے ملاقات نہ کریں، چنانچہ اپنی بیوی کو میں نے میکے بھیج دیا، الغرض اب بیوی سے بھی

جدائی ہوگئی اور پچاس دن تک وہ اسی حال میں تڑپتے رہے کہ زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ نظر آتی تھی کوئی بھی ان کو اپنا نظر نہیں آتا تھا دنیا ہی ان کے لئے تاریک تھی اور پچاس دن کے بعد قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور ان کی توبہ قبول ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لاَّ مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلاَّ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (پ۱۱) اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر بھی خاص توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

آپ بتلایئے کہ ایک غلطی کی وجہ سے مخلص اور سچے صحابی پر حضور ﷺ کی طرف سے کیسا عتاب ہوا اور ہم جان بوجھ کر نماز قضا کریں، زکوٰۃ ترک کریں، روزہ ترک کریں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کریں، جھوٹ بولیں غیبت کریں، بہتان لگائیں، قرآن وحدیث کے احکام سے کوسوں دور ہو جائیں، تب بھی مسلمان ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟ آخر یہ کیسے مسلمان ہیں اور یہ کون سی محبت ہے؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے

ہیں کہ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی اے اللہ کے رسول! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم کو محبوب بنائے گا، اور فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ قسم ہے زمانہ کی تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا، نیک کام وہی ہے جو شریعت سے ثابت ہو اور جو چیز شریعت سے ثابت نہیں اس کو کتنا ہی لوگ کہیں وہ ہر گز نیک کام نہیں ہو سکتا، جو چیز صحابہؓ نے نہیں کیا، تابعینؒ نے نہیں کیا، تبع تابعینؒ نے نہیں کیا، محدثینؒ نے نہیں کیا، ائمہ مجتہدینؒ نے نہیں کیا وہ کام نیک نہیں ہے، اصول شرع تو چار ہی ہیں جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد، ان چاروں دلیلوں کے علاوہ اور کسی چیز سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

تو بھائی! میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم کو عذاب جہنم سے اور دوزخ کے شعلوں سے بچنا اور جنت میں جانا ہے اور اللہ و رسول کو راضی کرنا ہے تو چاہئے کہ ہم شریعت کی پابندی کریں، کوئی راضی ہو یا نہ ہو اس کی پرواہ نہ کریں، اگر ہم لوگ اس کی ہمت کرلیں تو دنیا کی زندگی بھی کامیاب بن جائے اور اللہ کی رحمت ہم پر نازل ہو ۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا　　آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آج اگر ہمارا ایمان سچا ہو جائے اور ہم اعمال صالحہ اختیار کرلیں، شادی

میں، غمی میں، لینے دینے میں، ملنے جلنے میں، کاروبار میں، صورت میں، سیرت میں، غرض ہر چیز میں محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

آیئے ہم اور آپ سب مل کر اپنے کو تبدیل کریں، اپنے عقیدے کو درست کریں، اعمال صالحہ اختیار کریں، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ اختیار کریں، اتباعِ سنت ہی اصل ہے اور یہی خدا سے قرب کا ذریعہ ہے بزرگان دین نے سب سے زیادہ اسی کا اہتمام فرمایا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا نام نامی آپ نے سنا ہو گا ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ساری عمر محض اس وجہ سے خربوزہ نہیں کھایا کہ ان کو کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے خربوزہ نوش فرمایا ہے حالانکہ حدیث سے آپ کا خربوزہ نوش فرمانا ثابت ہے مگر ان کو حدیث نہیں ملی اس لئے نہیں کھایا، یہ تھا عشق رسول، اسی کو علامہ اقبالؔ نے کہا ہے ۔

کامل بسطام در تقلید فرد اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

حضرت جنید بغدادیؒ کا اولیاء اللہ میں جو مقام ہے آپ جانتے ہیں کتنے بڑے مرتبے کے شخص ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بایزید بسطامیؒ کا اولیاء کی جماعت میں وہ درجہ ہے جو فرشتوں کی جماعت میں حضرت جبریلؑ کا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے آکر کہا کہ فلاں بزرگ ہوا پر اڑتے ہیں اور ایک مہینہ کا راستہ ایک دن میں طے کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ وہ تو ایک

مہینہ کا راستہ ایک دن میں طے کرتے ہیں اور شیطان مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں طے کرتا ہے تو تم اسی کے معتقد ہو جاؤ، ہوا پر اڑنا کرامت نہیں ہے بلکہ اصل کرامت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔

ایک بزرگ دریائے دجلہ میں پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھ رہے تھے اسی اثناء میں ایک دوسرے بزرگ وہاں آئے اور ہوا پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے دریا میں نماز پڑھ لی تو کیا ہوا؟ پانی میں مچھلیاں بھی رہتی ہیں اور میں نے ہوا میں نماز پڑھ لی تو کیا ہوا؟ ہوا میں چڑیاں بھی رہتی ہیں، اگر یہ کوئی کمال ہوتا تو حضور اقدس ﷺ بھی پانی اور ہوا پر نماز پڑھتے مگر آپ نے ہمیشہ زمین پر نماز پڑھی اور آپ کا دل عرش پر رہتا تھا، یہ ہے اصل کمال کہ آدمی زمین پر نماز پڑھے اور اس کا دل عرش پر ہو، اور ساری بزرگی اسی میں ہے کہ سنت کی پیروی کرے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ بہت بڑے قطب زمانہ تھے ان کو شیخ اکبر کہا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھنا اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالنا سنت ہے جو اس کو سنت سمجھ کر کرتا ہے تو یہ اتنی بڑی کرامت ہے کہ سو مرتبہ ہوا پر اڑنا اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں اتباع سنت ہے اور اتباع سنت سے قرب ہوتا ہے اور ہوا پر اڑنے سے کچھ بھی قرب نہیں ہوتا اگر ہم سنت کا راستہ اختیار کرلیں تو رحمت کا دروازہ کھل جائے اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنے کو تبدیل کریں، یاد

رکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے، اسی کو علامہ حالی فرماتے ہیں ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے بال پک گئے، ضعیفی آگئی مگر ہمارا وہی حال بد ہے، بھائی ہم سوچیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلنا ہے، اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرنا ہے، ہر مرد کو، ہر عورت کو، ہر بوڑھے کو، ہر جوان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے، بس ایک دو بات اور بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ بہت بڑے بزرگ ہیں، مگر ان کی ابتدائی زندگی کیسی تھی کہ جنگل میں رہتے تھے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے اور جو قافلے ادھر سے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیا کرتے تھے، لیکن جب اللہ کا خوف طاری ہوا اور توبہ کی توفیق ہوئی تو جس جس کا مال لوٹا تھا سب کو لے جا کر واپس کیا یا معاف کرایا، ایک یہودی کا بھی مال لوٹا تھا مگر اس کی ادائیگی کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تو اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ اے بھائی! تمہارا مال بھی ہم نے لوٹ لیا تھا لیکن اب اس کی ادائیگی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا اس لئے تم اس کو معاف کر دو، اس نے کہا میں

ہر گز نہیں معاف کروں گا، کئی دن تک پڑے رہے تو اس نے ان کو ذلیل کرنے کے لئے ایک دن یہ حرکت کی ایک تھیلی میں بالو بھر کر کسی طاق پر رکھ دیا اور ان سے کہا کہ جاؤ اس طاق پر سے تھیلی اٹھا لاؤ، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ لائیں گے تو سب کے سامنے کہوں گا کہ اس تھیلی میں سونا تھا اس کو تم نے نکال کر اس میں بالو بھر دیا ہے، ابھی تمہاری عادت چھوٹی نہیں اور آئے ہو معافی مانگنے؟ اس طرح حضور ﷺ کا ایک آدمی رسوا ہو گا، تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت فضیلؒ نے جب وہ تھیلی یہودی کے سامنے لا کر رکھی اور اس نے تھیلی کو انڈیلا تو دیکھا کہ اس میں بجائے بالو کے سونا بھرا ہے، اس کا اس یہودی کے اوپر اتنا اثر ہوا کہ حضرت فضیلؒ سے کہا آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر ایمان لاتا ہوں اور فوراً کلمہ پڑھ لیا "اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور کہا کہ ہم نے توریت میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ میں جو سچی توبہ کرے گا وہ اللہ کا ولی بن جائے گا، واقعی آپ نے سچی توبہ کی ہے۔

سبحان اللہ! سچی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے ہاتھوں کیسی کرامت ظاہر فرمائی، حدیث شریف میں بھی آتا ہے "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَہٗ" گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہوتا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو، یہ کیسی توبہ کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرے اور دل پہ اس کا کچھ اثر نہ ہو، ارے سچی توبہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنے کو

بدل ڈالے، توبۂ نصوح اسی کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی کا حکم اس آیت میں فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوْحاً﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں چلنے کا پہلا دروازہ توبہ ہے بغیر اس سے پار ہوئے آدمی آگے نہیں چل سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ وہ مجاہدین ایسے ہیں کہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، خدا کی راہ میں پھرنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مؤمنین کو (جن میں یہ صفات ہوں) آپ خوش خبری سنا دیجئے (کہ ان سے جنت کا وعدہ مذکور ہے)

اس آیت میں سب صفات سے مقدم توبہ کو فرمایا ہے، اسی لئے بزرگوں نے پہلا دروازہ توبہ کو قرار دیا ہے، جس طرح احکام ظاہری میں سب سے مقدم ہے کہ ناپاک آدمی نماز نہیں پڑھ سکتا اس کے لئے غسل کرتا ہے پاک ہوتا ہے، نماز کے لئے یہ شرط ہے کہ جسم پاک ہو، جگہ پاک ہو، کپڑا پاک ہو، تب نماز ہوتی ہے اسی طرح دل کا پاک ہونا بھی ضروری ہے اور توبہ کے ذریعہ

دل ہی پاک کیا جاتا ہے اگر ہم نے سب کچھ پاک کر لیا مگر ہمارا دل ناپاک ہے تو ہماری نماز کیسی ہوگی ظاہر ہے، اسی دل کو پاک کرنے کے لئے اور دل کو دل بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (پ۲۸) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانشمندی سکھلاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے کتنے ہی دلوں کو پاک کر دیا اور آپ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ نفوس کا تزکیہ فرمائیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور حضور ﷺ کے بعد ان کے سچے جانشینوں کی صحبت سے لوگوں کے قلوب پاک ہوتے رہیں گے جو کوئی اللہ والوں کا دامن تھام لے گا اس کا دل بھی پاک ہو جائے گا، ہمارے ایک عزیز تھے جن کا انتقال ہو چکا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں ایک نعت کہی ہے اور خوب بات کہی ہے کہتے ہیں۔

وہ بندوں کو حق سے ملا دینے والے | وہ پیغام خالق سنا دینے والے
عرب کی زمیں کو ہلا دینے والے | وہ دوزخ کو جنت بنا دینے والے

حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے دنیا دوزخ کا نمونہ بنی ہوئی تھی حضور اقدس ﷺ نے دنیا کو جنت بنایا پھر صحابہ کرامؓ کا دور اور اس کے بعد

تابعین اور تبع تابعین کا دور آیا، ان سب زمانوں کو خیر القرون کہا جاتا ہے، ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا اس کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی، سبحان اللہ! جب ان کے دیکھنے میں یہ اثر ہے تو ان کی صحبت میں کیسا کچھ اثر ہو گا اس لئے کہا گیا۔

یک زمانے صحبتت با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اب ہمارا حال یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں جی نہیں لگتا، ناچ گانوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں بری صحبتوں میں وقت گذارتے ہیں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر اخبار دیکھتے ہیں، قصے کہانیوں کی کتاب کو خوب شوق سے پڑھتے ہیں مگر اللہ کی کتاب کو نہیں پڑھتے، اللہ والوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے، ہمارے مردوں کا بھی یہی حال ہے اور عورتوں کا بھی، رہے بچے تو وہ بڑوں ہی سے سیکھتے ہیں۔

عورتوں میں رابعہ بصریہ بھی تھیں وہ رات میں عبادت کرتی رہتی تھیں اور پاس میں اپنا کفن بھی رکھتی تھیں جب نیند آتی تو کفن دکھا کر اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرماتیں کہ اے رابعہ! ایک دن یہاں سے جانا پڑے گا اور قبر کے گڑھے میں قیامت تک سونا پڑے گا اس کے لئے کچھ سامان کر لے، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

اسی طرح سے وہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتیں جب صبح ہونے لگتی تو بڑی حسرت سے کہتیں کہ یا اللہ! اب آفتاب نکلنے والا ہے اب مجھے اپنے آقا کا کام کرنا

پڑے گا، کاش کہ رات ہی رہتی صبح نہ ہوتی تاکہ میں آپ کی عبادت کرتی رہتی۔

اللہ اکبر! کسی وقت ہماری عورتوں کا یہ حال تھا، واقعی جس کو اللہ کی عبادت میں مزہ مل جاتا ہے اس کا یہی حال ہو جاتا ہے۔

دلائل الخیرات جو درود شریف کا مجموعہ ہے، محمد بن سلیمان جزولی نے اس کو جمع فرمایا ہے آپ اپنے مریدوں کو لے کر سفر کر رہے تھے، ایک بستی میں پہنچے وہاں ظہر کی نماز کا وقت آخر ہونے لگا پانی کی تلاش ہوئی، ایک کنواں ملا لیکن رسی ڈول نہ تھی یہ لوگ بہت پریشان تھے کنویں کے گرد پھرتے تھے کنویں سے کچھ فاصلہ پر ایک مکان تھا اس میں ایک آٹھ نو سال کی لڑکی شیخ کی یہ حالت دیکھ رہی تھی، لڑکی نے پوچھا آپ کیوں پریشان ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں محمد بن سلیمان جزولی ہوں، ظہر کا وقت تنگ ہے ڈول اور رسی نہیں ہے کہ پانی نکال کر ہم لوگ وضو کر کے نماز ادا کریں اس لڑکی نے کہا آپ اتنے بڑے شیخ ہیں آپ کو پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کو تو اس کی ضرورت نہیں پڑتی، شیخ نے کہا کیوں مذاق کرتی ہو ہم کو نماز میں دیر ہو رہی ہے جلدی سے رسی ڈول لاؤ، اس نے کہا مذاق نہیں کر رہی ہوں صحیح بات ہے، ذرا دیکھئے اس نو برس کی لڑکی کا کیا حال ہے، آج کل تو سو برس کی عورت کا بھی یہ حال نہیں ہے ان کو قربان ہونا چاہیئے وہ لڑکی کچھ پڑھ کر دَم کرتی ہے اور کنویں کا پانی جوش مار کر اوپر آجاتا ہے، جب پانی اوپر آگیا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ آیئے وضو کیجئے، شیخ کو بڑا تعجب ہوا اور فرمایا کہ بیٹی تو نے کیا پڑھ کر دَم کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں بس

درود شریف پڑھ کر دم کر دیا ہے، وہ درود دلائل الخیرات میں موجود ہے، آپ کہیں گے کہ ہم بھی تو پڑھتے ہیں ہمارے پڑھنے سے ایسا کیوں نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ آپ کی زبان ناپاک ہے اس لئے اس کا ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔

درود شریف میں آج بھی وہی برکت ہے، کیوں بھائی! آپ کے پاس ایک چمچہ ہے اور آپ کو معلوم ہو کہ اس میں نجاست لگی ہوئی ہے پھر اسی چمچہ سے اگر شوربا وغیرہ نکالا جائے تو کیا آپ اسے کھا سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں کھائیں گے کیونکہ وہ ناپاک ہے پہلے دھو کر اسے پاک کریں گے تب استعمال کریں گے اسی طرح بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زبان دل کا چمچہ ہے جب ہماری زبان پاک ہوگی تو اس میں بھی وہی اثر ہوگا جو اللہ والوں کی زبان میں ہوتا ہے ہم نے تو اپنی زبانوں کو ناپاک کرلیا ہے، دل کو ناپاک کرلیا ہے، پھر ہماری زبانوں میں اثر ہو تو کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

مسلمان کی تو یہ شان ہونی چاہئے کہ اس کا دل بھی پاک ہو، اس کی زبان بھی پاک ہو، اس کا خیال بھی پاک ہو، اس کا ظاہر بھی پاک ہو، اس کا باطن بھی پاک ہو، غرضیکہ اس کی ہر چیز پاک ہو، آیئے! آج صحیح معنوں میں ہم مسلمان بن جائیں، فرماں بردار بن جائیں اور حضور اقدس ﷺ کے صحیح معنوں میں امتی بن جائیں، اسی میں ہماری فلاح ہے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کیجئے اور معتبر علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھئے، نیز ان کتابوں کو اپنے بچوں کو سنایئے، گھروں میں اپنی عورتوں کو سنایئے، حکایات صحابہؓ پڑھئے، فروع الایمان، جزاء الاعمال، بہشتی زیور پڑھئے، اسی طرح مصلحین امت کی جو کتابیں ہیں ان کو پڑھئے، جب اس میں دل لگ جائے گا اور اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں آدمی مشغول ہو جائے گا تو پھر کسی دوسری چیز میں جی نہیں لگے گا، کاروبار کو شریعت نے منع نہیں کیا ہے اس کو بھی کیجئے مگر شریعت کے مطابق کیجئے، قربان جایئے حضور ﷺ پر کہ آپ نے ہماری ہر چیز کو عبادت بنادیا، ہماری عادت کو بھی عبادت بنادیا، ہمارا کھانا بھی عبادت، کاروبار بھی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں سنت کا لحاظ کریں، ہمارا ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، لینا دینا، اگر یہ سب اللہ کے لئے ہو جائے تو سب عبادت بن جائے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ہم اس تجارت کو اختیار کرلیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعوت دی ہے یعنی سچے دل سے ایمان لائیں اور جانی و مالی قربانی اللہ کے راستے میں پیش کریں، تو اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف کر دیں گے اور ہمیں جنت میں داخل کریں گے جس کی آسائش وراحت کا دنیا میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا، وہاں تو ایسی ایسی نعمتیں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا، اس کا صحیح اندازہ تو واقعی وہیں چل کر ہو گا۔

میں ایک مدت سے اس بستی کو جانتا ہوں اور عرصہ سے میری بھی یہاں

آنے کی خواہش تھی اور اس بستی والوں کی بھی خواہش تھی، ان لوگوں نے بارہا اس کا اظہار کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فیصلہ تھا کہ میں آپ کی بستی میں آؤں چنانچہ آگیا اور آپ حضرات سے مل کر جی خوش ہوا اور آپ کے برتاؤ سے بھی بڑی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزادے اور ہر طرح سے خوش رکھے، دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عافیت سے رکھے۔

میں اپنا حال سچ عرض کرتا ہوں کہ اس قابل نہیں ہوں کہ کہیں آجا سکوں الٰہ آباد میں ڈاکٹر ابرار صاحب کے یہاں بیمار ہو کر آیا ہوں، تین مہینہ سے بیمار ہوں میرے اندر دم نہیں تھا کہ اس وقت کچھ بیان کرتا اور بیان سے پہلے میرے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہلوا دیا میں نے کہہ دیا، لہٰذا آپ نے جو کچھ سنا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور عمل پر جو وعدے ہیں وہ سب برحق ہیں آدمی ان پر یقین رکھے تو فلاح و کامیابی ضرور حاصل ہوگی، بس اب صرف ایک آیت پڑھ کر بیان ختم کر دوں گا باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی کوئی مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو اور عمل صالح کرے تو ہم اس کو ضرور بالضرور حیات طیبہ عطا کریں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

حیات طیبہ کہتے ہیں خوشگوار زندگی کو، ایک زندگی بے کیف ہوتی ہے اور ایک زندگی با کیف ہوتی ہے، بزرگان دین کو دین پر عمل کرنے کی وجہ سے اسی دار دنیا میں با کیف زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کو مزہ ملتا ہے کہ دنیا ہی میں ان کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، اس لئے ہمارے مردوں کو، عورتوں کو، جوانوں کو اور بوڑھوں کو غرضیکہ سب کو دین پر عمل کرنا چاہئے اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی بنانا چاہئے اور وہ ایمانی جذبہ پیدا کرنا چاہئے جس سے ہماری زندگی با کیف ہو جائے اور بچوں کو میں کیا کہوں جب ہمارے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں دین کی طرف نہیں آتیں تو پھر بچے تو بڑوں ہی سے سیکھتے ہیں ان کے اندر عمل کا جذبہ اور داعیہ کیسے پیدا ہوگا؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی دین کی راہ اختیار کریں، نیک راستے پر لگیں تو پہلے خود عمل کے لئے مستعد ہو جائیے، دیکھئے! حضور اقدس ﷺ کے زمانہ مبارک میں دو نو عمر بچے جو آپس میں بھائی تھے ایک جہاد میں جانے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں بڑے شوق سے آئے، آپ نے بڑے بھائی کو جہاد میں لے لیا، دوسرے سے فرمایا کہ تم ابھی چھوٹے ہو ابھی جہاد میں نہیں جا سکتے تو اس نے عرض کیا کہ حضورؐ! آپ نے میرے بھائی کو عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے لے لیا اور مجھے چھوڑ دیا حالانکہ اگر آپس میں ہماری کشتی ہو تو میں اسے پچھاڑ سکتا ہوں چنانچہ کشتی کرائی گئی تو چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو پچھاڑ دیا تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا بھائی تم بھی چلو۔

سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا! دیکھا آپ نے، مٹھائی کھانے کے لئے جا رہے

تھے؟ جان دینے کے لئے جانا چاہتے تھے اور اس کے لئے یہ جذبہ تھا کہ ہر ایک پہلے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانی و مالی قربانی پیش کرو گے تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیں گے، کھاؤ پیو، تجارت کرو، کاروبار کرو، مگر سب میں اس بات کا لحاظ رکھو کہ شریعت کے مطابق چلو، کوئی قدم ہمارا خلاف شرع نہ اٹھے اسی کے اندر فلاح ہے، ورنہ گناہ اور نافرمانی کا انجام خسارہ ہی خسارہ ہے ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو شریعت مقدسہ پر عمل کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی محبت حاصل ہے، بزرگان دین کی محبت حاصل ہے، سب سے بڑی کامیابی یہی ہے، جس کو یہ حاصل ہے تو بڑی چیز حاصل ہے، سبحان اللہ! کیا کہنا، مبارک ہو، ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

آیئے! ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

توحید و رسالت

اقتباس

دوستو! خدا کی قسم رسالت کا مقام بہت اعلیٰ مقام ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اس مقام کو پہچانیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ رسول کا کیا منصب ہے دنیا جہان کے سارے لوگ کچھ کہہ دیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو بات فرمادیں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل اور رد ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان الٰہ آباد میں محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر ہوا جس میں توحید باری تعالیٰ پر روشنی ڈالتے ہوئے مقام رسالت کو اجاگر فرمایا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا.

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْداً عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (پ۱۷)

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور

تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو، اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول اللہ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا کارساز ہے، سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

بیان کرنے کے لئے اور اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے اس چیز کی ضرورت ہے کہ بیان کرنے والے کے دل میں اللہ کی محبت ہو، اللہ کی عظمت ہو اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اور وہ محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دین کی دعوت دے، یعنی اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کو اللہ ہی کے لئے ہم دین کی طرف بلا رہے ہیں، اسی طرح سننے والوں کے لئے بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ سننے کے لئے دل لگا کر متوجہ ہو جائیں اور گوش دل سے سنیں اور اس نیت سے سنیں کہ ہم جو کچھ سنیں گے اس پر عمل بھی کریں گے، اللہ اور اللہ کے محبوب ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں گے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں " اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰی " بلاشبہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

یہ بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث ہے جس میں فرماتے ہیں کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور یہ اس لئے فرمایا کہ نیت کو بڑا دخل ہے اور نیت میں

بڑی برکت ہے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اعمال تو ہوتے ہیں مگر ہماری نیت خالص نہیں ہوتی، ریا ونمود کی آمیزش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے سب اعمال بے کار اور محنت ضائع ہو جاتی ہے،اور من جملہ اعمال کے ایک بڑا عمل اللہ کے دین کی دعوت اور تبلیغ بھی ہے،اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے لہذا اس کی کوشش ہونی چاہئے کہ ہماری دعوت اللہ کے لئے ہو جائے اور دل کے اندر تڑپ ہو،ذوق شوق اور محبت ہو اور اس بات کا داعیہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے،اخلاص سے دعوت دینا بڑا مشکل کام ہے،اس کو وہی انجام دے سکتا ہے جو مؤید من اللہ ہو، اللہ ہی کی توفیق و تائید سے یہ آسان ہو سکتا ہے، جس طرح ایک شفیق طبیب مریض پر مہربان ہوتا ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے اور یہ تندرست ہو جائے تو اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے،دوائیں دیتا ہے، پرہیز بتلاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی سے دعا بھی کرتا ہے، چنانچہ پہلے زمانہ کے اطبا ایسے شفیق ہوتے تھے کہ سب تدبیریں بتلا کر رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے تھے، کہ یا اللہ اس مریض کو شفا ہو جائے تو جب طبیب جسمانی اپنے مریضوں پر اس قدر شفیق ہوتا ہے پھر انبیاء علیہم السلام جو طبیب روحانی ہیں ان کی شفقت کا کیا کہنا، وہ تو سراپا شفقت ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نے دنیا جہاں والوں کو اللہ کی طرف بلایا، پتھر وہ کھاتے تھے، لعن طعن وہ برداشت کرتے تھے، کانٹے ان کی راہ میں بچھائے جاتے تھے،ان کو طرح طرح سے ستایا جاتا تھا اور بڑی بڑی مصیبتیں ان کو پہنچائی جاتی تھیں، مگر وہ مخلوق پر ایسے

شفیق تھے کہ پتھر کھا کر دعا دیتے تھے، تکلیفیں برداشت کرتے تھے، ان کی نظر اللہ ہی پر تھی وہ اللہ ہی کے لئے بولتے تھے اس لئے ان کی نیت کا اثر لوگوں پر بھی پڑتا تھا۔

حضور اقدس ﷺ تو سب سے بڑھ کر شفقت فرمانے والے تھے آپ سے بڑھ کر مخلوق پر کوئی شفیق نہیں، آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بندہ جہنم میں جائے، آپ کا دلی مقصد یہ تھا کہ سارے جہاں کے لوگ ایمان لائیں اور جہنم سے بچ جائیں، مگر اللہ کی مشیت کا فیصلہ کچھ اور ہے، اللہ تعالی نے جہنم کو بھی بنایا ہے اور اس میں بھی لوگوں کو جانا ہے اور اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، نبی کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے، اللہ کے احکام کو بندوں تک پہنچا دینا ہے، رہی ہدایت تو وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، حضور اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ قوم ان کو پریشان کرتی اور ستاتی تھی حتی کہ ساحر، کاہن اور مجنون کا خطاب دیتی تھی مگر اللہ کے محبوب ﷺ نہ تو ان کے حق میں بد دعا فرماتے، نہ کوئی کلمہ نکالتے، بلکہ خود اللہ تعالی ہی ان کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ آپ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کو لوگوں نے ساحر اور مجنون نہ کہا ہو اور فرماتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوْلُوْ الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (پ۲۶) آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے کیا، نیز ایک جگہ فرماتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ (پ۲۹) جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے۔

چنانچہ آپ پتھر کھا کر، لعن طعن سن کر ان کے ظلم کا بدلہ نیکی سے دیتے رہے، آپ کے مبارک اور مقدس قلب کی وہ حالت تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا، نبی کا حال بھلا امتی کیا سمجھے، آپ کی ذات مبارک سراپا شفقت و رحمت تھی اور آپ کی دلی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ اللہ کے بندے ایمان لائیں، جنت میں جائیں، جہنم سے بچ جائیں، اللہ کو راضی کریں اور زندگی کا مقصد حاصل کریں۔

تقریر کرنا بہت آسان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض اللہ کے لئے بولنا اور اس طور پر بولنا کہ اس سے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، نہ مال کا طالب ہو، نہ جاہ کا طالب ہو، نہ دولت کا طالب ہو، بس وہ صرف یہ چاہتا ہو کہ اللہ کے لئے اللہ کے دین کی دعوت دے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، یہ بہت مشکل کام ہے، یہ منصب نبوت اور کار نیابت ہے، اس کے لئے تو وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا اور ان کا طریقہ یہی ہے کہ وہ نہ مال کے طالب ہوتے نہ جاہ کے طالب ہوتے بلکہ ان کو صرف اللہ کے راضی کرنے کی فکر ہوتی ہے اور ان کی توجہ ہر وقت صرف اس طرف رہتی ہے کہ اللہ کے بندے کسی طرح ہدایت پا جائیں، وہ دل سے دعا بھی کرتے ہیں اور اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ کی باتوں کو پہنچاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو دعوت کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ آپ اپنے

رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے (کہ جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بحث کیجئے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کی نیابت میں جو لوگ دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بھی یہی کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں، اللہ کے محبوب کی حدیثوں کو سناتے ہیں، اسلامی اور ایمانی زندگی بنانے کی اور من مانی زندگی سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت کیا ہے اور اسلام کے معنی کیا ہیں؟ ہم نے کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اسلام کے معنی ہیں اپنے کو سپرد کردینا اور حوالے کردینا، جب ہم نے یہ کلمہ پڑھ لیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور توحید ورسالت کا اقرار کرلیا تو بہت بڑی بات کا اقرار کیا، یہ کلمہ دیکھنے میں تو ایک بول ہے مگر سمجھ لیجئے کہ بہت قیمتی اور بڑا وزنی ہے، اگر اس کی حقیقت سمجھنا ہو تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات سے سمجھ لیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اپنی جان، مال اور اپنی اولاد کو، اپنے عیش وراحت کو، اپنی عزت کو، اپنی ساری چیزوں کو قربان کردیا، صحابہ یہی کلمہ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھا جاتا تھا، کانٹے چبھوئے جاتے تھے، مارے جاتے تھے، ذلیل کئے جاتے تھے وطن سے نکالے جاتے تھے مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے اور سبحان اللہ کیسا ان کا پڑھنا تھا، انہوں نے اللہ کی توحید کا اقرار کرلیا تھا، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی رسالت پر کامل ایمان تھا اس لئے ساری مصیبتوں کو برداشت کرتے تھے اور اس میں وہ اپنی عزت سمجھتے تھے، اور ان سب تکالیف میں ان کو لذت ملتی تھی، در حقیقت اس کلمہ کا مزہ انہیں کو ملتا تھا اور انہیں کو اصلی کیفیت اور حقیقی حلاوت حاصل ہوئی تھی، ہم لوگ بھی کلمہ پڑھتے ہیں لیکن دیکھ لیں کیا ہماری بھی یہی کیفیت ہے؟ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر آج امتحان لیا جائے تو بہت تھوڑے لوگ اس کلمہ کو سمجھنے والے نکلیں گے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کو کلمہ بھی نہیں آتا، نہ اس کلمہ کی حقیقت جانتے ہیں نہ اس کے منشا کو سمجھتے ہیں، ارے! یہ کلمہ جنت کی کنجی ہے اور یہ کلمہ اتنا وزنی ہے کہ ساتوں طبق زمین اور ساتوں طبق آسمان اس کے مقابلہ میں ہلکے ہیں مشکوٰۃ شریف میں حدیث آتی ہے

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال
رسول الله ﷺ قال موسیٰ علیه
الصلوة والسلام یا رب علمنی شیئا
اذکرك به وادعوك فقال یا موسیٰ قل
لا اله الا الله فقال یا رب کل عبادك
یقول هذا انما ارید شیئا تخصنی به
قال یا موسیٰ لو ان السموٰت السبع
وعامرهن غیری والارضین السبع

وسکانھا وضعن فی کفة ولا اله الا
الله فی کفة لمالت بهن لا اله الا الله
رواه فی شرح السنة،

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب! آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز تعلیم فرمائیے کہ جس کے ذریعہ آپ کو یاد کروں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! لا اله الا الله کہا کرو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کو تو آپ کے سبھی بندے کہتے ہیں، میں ایسی چیز چاہتا ہوں کہ مجھ ہی کو آپ اس کے ساتھ خاص فرمادیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور اس کے آباد کرنے والے سوا میرے اور ساتوں زمین اور اس کے رہنے والے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا اله الا الله دوسرے پلہ میں، تو البتہ ان کے مقابلہ میں لا اله الا الله کا پلہ یقیناً جھک جائے گا۔

آیئے ہم آپ کو اس کلمہ کی حقیقت بتلائیں، اس میں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اور حضور اقدس ﷺ کی رسالت کا، اور اس میں تمام معبودان باطل کی نفی کرتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود، نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق، نہیں ہے کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ، اور جس طرح اس میں معبودان باطل کی نفی ہے اپنے نفس کی بھی نفی ہے اپنی رائے کی بھی نفی ہے

اور مخلوق کی بھی نفی ہے جب ہم نے لا الہ الا اللہ کہا تو سب کی نفی کر دی اور اللہ ہی کا اقرار کیا۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس نفی کو کامل طریقہ سے پورا فرمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ (میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) جو چیز مٹ جانے والی ہے اور فنا ہو جانے والی ہے اس سے کیا تعلق، اللہ کی ذات کے سوا ساری چیزیں فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہیں، اگر ہم صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھیں تو ہم کو دنیا کی حقیقت ان کے حالات کی روشنی میں خوب واضح ہو جائے کہ وہ اسی دنیا میں رہ کر اس کے فنا ہو جانے کا اور مٹ جانے کا کیسا استحضار رکھتے تھے اور کس قدر آخرت کی تیاری میں ہمہ تن لگے رہتے تھے، مگر ہم کو تو دنیا کے کاموں ہی سے فرصت نہیں، آخرت کی ذرا فکر نہیں، دنیا کی محبت ہمارے قلوب میں اس طرح سما گئی ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اگر کہہ دیا جائے کہ صرف نام کے مسلمان ہیں تو وہ بالکل بجا ہو گا، حدیث پاک کے اندر آتا ہے :

یوشك ان یاتی علی الناس زمان لایبقی من الاسلام الا اسمه ولایبقی من القرآن الا رسمه

یعنی عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف رسم باقی رہ جائے گی۔

آج اگر ہم اپنے حالات پر غور کریں تو نظر آ جائے گا کہ صحیح معنوں میں

اسلام باقی نہیں رہا کیوں کہ اسلام در حقیقت نام ہے اپنے کو فنا کر دینے کا، اپنی رائے کو چھوڑ دینے کا، اور اللہ ورسولؐ کے حکموں پر سب کچھ قربان کر دینے کا، اور مسلمان اس کو کہتے ہیں جو فرماں بردار ہو، اللہ ورسولؐ کے حکموں کے سامنے گردن جھکا دینے والا ہو، اور چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، ہم کیا جانیں کہ اسلام میں کیا مزہ ہے، توحید میں کیا حلاوت ہے، ایمان میں کیا لذت ہے، ہم لوگوں کی زندگی گذرتی جارہی ہے عمر ختم ہورہی ہے مگر اسلام حقیقی نصیب نہ ہوا، آج مسلمان شکایت کرتا ہے کہ ہم مصائب وشدائد میں ہیں مگر اس پر نظر نہیں جاتی کہ ہم حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں، اور اگر اس کی طرف نظر ہو جائے اور ہم سچے اور پکے مسلمان بن جائیں تو سب شکوہ شکایت ختم ہو جائے اور جس حال میں اللہ رکھے اس پر راضی رہیں۔

اسی طرح سے قرآن کے بارے میں بھی ہم غور کر کے دیکھ لیں کہ ہم اپنی قرآن مجید پڑھنے اور اس کے سمجھنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سب کا یکساں حال ہے بس صرف رسمی طور پر ہم لوگ مسلمان ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں نے قرآن مجید پڑھا ہے وہ بتائیں کیا اس کی تلاوت کرتے ہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام نہیں کرتے اور جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں وہ واقعی بڑے خوش نصیب ہیں، اس لئے کہ قرآن کا پڑھنا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی

ہیں، پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے اس طرح الٓمٓ پڑھنے میں تیس نیکیاں ملتی ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو ایک ایک حرف پر سو سو نیکیاں ملتی ہیں اور جو شخص قرآن مجید کو باوضو ہو کر مؤدب بیٹھ کر پڑھتا ہے تو ہر حرف پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، ہمارے اکابر و اسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ نیکیوں کو سمیٹتے تھے، خیر کی طرف لپکتے اور دوڑتے تھے اس لئے کہ ان کو اللہ سے عشق تھا، ہر وقت اللہ کو راضی کرنے کی فکر تھی، ہم انصاف سے اپنے نفس کو دیکھ لیں اور اپنا فیصلہ خود کریں کہ واقعی ہمارے دل میں نیکیوں کی کتنی قدر ہے، ذرا غور کریں اور انصاف سے کام لیں اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں کہ ہمارے اندر جتنی قدر مال و دولت کی ہے اور جتنی محبت اہل و عیال کی ہے اور جتنی رغبت جاہ و منصب کی ہے اتنی ایمان کی بھی ہے؟ اور اس بات کی طرف بھی رغبت ہے کہ قیامت میں کیا چیز کام آئے گی؟

میں تو سچ کہتا ہوں کہ جس طرح آج کل ایک آلہ ایسا ہے جس کو لگا دیتے ہیں تو اس سے اندر کا مرض سامنے آجاتا ہے جس کو ایکسرے کہتے ہیں اسی طرح اگر کوئی آلہ ایسا ہوتا جو کھول کھول کر ہمارے دل کے امراض کو بتا دیتا کہ تمہارے اندر نہ اللہ کا یقین ہے، نہ رسول ؐ کا یقین ہے، نہ قیامت کا یقین ہے، نہ جنت کا یقین ہے، نہ جہنم کا یقین ہے تو آپ کے سامنے اپنے ایمان کی

حقیقت آجاتی مگر ایسا کوئی آلہ ایجاد نہیں ہوا، لیکن اللہ کے جو خاص بندے ہیں جو اللہ کے ولی ہیں، صحیح معنوں میں عبادالرحمٰن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی نظر اور فہم و فراست عطا فرمادیتے ہیں جس سے وہ باطن کے امراض کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی نشاندہی فرماتے اور علاج بتلاتے ہیں، ان کی نگاہوں سے بچ کر کوئی شخص جا نہیں سکتا۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم لوگ نام کے مسلمان ہیں حقیقت بالکل غائب ہے، اسلام ہمارا دین و مذہب ہے مگر ہم اتنے بے فکر ہیں کہ جانتے تک نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ہم بالکل غافل ہو چکے ہیں اور غفلت کو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ غفلت ام الامراض ہے، ہم کو چاہئے کہ اپنی غفلت دور کریں، اللہ کی کتاب پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نیز اس بات کی فکر پیدا کریں کہ ہمارا مقصد زندگی کیا ہے؟ کیا ہمارا مقصد دنیا میں جینے کا صرف یہ ہے کہ بس کھائیں، کپڑے بنائیں، نوکری کریں، تجارت کریں، مال کمائیں اور دنیا جمع کریں؟ میرا مقصد یہ نہیں کہ ان سب کو چھوڑ دیں، شریعت نے اس سے منع نہیں کیا ہے اس لئے دنیا میں رہ کر آپ یہ سب کچھ کریں لیکن اس کو مقصود زندگی نہ بنائیں بلکہ اصل مقصد حیات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور انسان کی زندگی اور جانور و بہائم کی زندگی میں کیا فرق ہے؟ اگر صرف کھانا پینا مقصد زندگی بن گیا تو انسان اور بہائم برابر ہو جائیں گے، پھر انسان کی زندگی جب بہائم کی طرح ہو جائے تو وہ کس کام کی؟

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ زندگی کا مقصد نہ فلسفی بتا سکتا ہے نہ حکیم و طبیب بتا سکتا ہے، نہ ادیب و شاعر بتا سکتا ہے اس لئے کہ دنیا میں سب کچھ تھا کھانا پینا، دولت، زمین اور ساری چیزیں موجود تھیں لیکن انسان مقصد زندگی سے ناواقف تھا اس کو بتلانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے ہم کو بتایا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر اس مقصد کو ہم فراموش کردیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔

واللہ! وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو اس مقصد کو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں کیوں بھیجا، ہم ذرا انصاف سے دیکھیں کیا وہ مقصد حیات ہمارے پیش نظر ہے؟ سنئے یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کے لئے بنائی ہیں اور انسان کو صرف اپنے لئے بنایا ہے، ہم کبھی تو سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو، پھلوں، ترکاریوں اور غلوں کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر موسم میں کیسے کیسے رنگ برنگ کے میوے عطا فرمائے ہیں، گرمیوں میں کچھ اور قسم کے پھل ہوتے ہیں اور جاڑوں میں اور قسم کے اور برسات میں کچھ اور، یہ ساری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمائی ہیں کبھی ہم اپنے دماغ کو اس میں بھی لگادیں کہ آخر یہ سارا نظام جو ہمارے لئے قائم فرمایا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ ہم نے تو اپنا سارا دماغ اور کل عقل و فہم دنیا ہی میں خرچ کردیا، کبھی تو چار پانچ منٹ کا وقت نکال کر بیٹھیں، سوچیں کہ زندگی کا جو مقصد ہے اس کو ہم نے ادا کیا یا نہیں؟ مومن کی زندگی کا

مقصد صرف کھانا، پینا اور عیش کرنا نہیں ہے، دنیا میں مؤمن بھی کھاتا پیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور کافر بھی کھاتا پیتا ہے مگر مؤمن کا کھانا پینا کچھ اور قسم کا ہوتا ہے اور منکر کا کچھ اور طرح کا ہوتا ہے، کافر کی زندگی کا مقصد صرف کھانا ہی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ہم صرف کھانے ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اس پر وہ یہاں دار دنیا میں بہت خوش ہے، لیکن آخرت میں جاکر بہت نادم ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کے حال پر نکیر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ذَرْهُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ (پ ۱۴) کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ مسلمان ہوتے آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ خوب کھالیں اور چین اڑالیں، اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، اور فرماتے ہیں ﴿کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلاً اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ تھوڑے دن کھاپی لو مزے برت لو یقیناً تم مجرم لوگ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کو مقصود زندگی بنالینا جرم ہے چنانچہ مؤمن اللہ کے حکم کے تحت کھاتا ہے، اس کے کھانے کا مقصد صرف مزہ حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ وہ اس لئے کھاتا ہے کہ قوت پیدا ہو، زندگی قائم رہے تاکہ اللہ کی بندگی کرسکیں۔

اللہ والوں کا کھانا، اللہ والوں کا پینا، اللہ والوں کا سونا جاگنا، اللہ والوں کا

ملنا جلنا، اللہ والوں کی محبت وعداوت، دوستی ودشمنی سب اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے، وہ نفس سے نکل چکے ہوتے ہیں ان کے سامنے ہر وقت مقصد حیات ہوتا ہے، ان کے پیش نظر ہر وقت یہ بات رہتی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے متعلق خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا مگر ہم مسلمانوں کا حال آج کل یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان کہلانے کے باوجود ایک جماعت دین کا مذاق اڑانے والی بھی موجود ہے جو قرآنی تعلیم کا انکار کرنے والے، اللہ کے محبوب ﷺ کے حکموں سے منہ موڑنے والے، دین مقدس پر اعتراض کرنے والے ہیں ایسے لوگ بس نام کے مسلمان ہیں، آپ خود غور کیجئے کہ جب یہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں تو پھر ان کے دلوں میں دین کی کیا حقیقت اور اسلام کی کیا عظمت باقی رہی؟ اور ان کے پیش نظر زندگی کا مقصد کیسے آسکتا ہے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم کچھ وقت نکال کر اس بات کو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں جو انسان کے لئے بنائی ہیں اور بے شمار نعمتیں جو ہم کو عطا فرمائی ہیں ان کا شکر بھی ہم ادا کرتے ہیں؟ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

آج کل ہم مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی فکر ہم کو کھائے جا رہی ہے اور ہماری زندگی انتہائی بے مزہ اور بے لطف ہے، اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ ہماری زندگی کیسی بے کیف اور کیسی بے چینی اور اضطراب کی زندگی ہے، ذرا اللہ والوں سے پوچھو ان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اللہ کی فرماں برداری

کرنے سے قلب میں کیسا سکون پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے ذکر سے ان کے قلب پر کیسا سکینہ نازل ہوتا ہے، واقعی اللہ کی یاد ہی سے قلب کو چین و سکون حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ واللہ! نہ مال سے قلب کو چین حاصل ہوتا ہے نہ دولت سے، نہ محل و مکان سے، نہ اہل و عیال سے، بلکہ دل کو اگر چین و سکون ہوتا ہے تو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے، پس ہم کو چاہئے کہ اللہ کو یاد کریں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو مستحضر رکھیں، دیکھیں کیسے کیسے رنگ کے میوے اور طرح طرح کے پھل ہمارے لئے پیدا فرمائے ہیں اور ہر ایک کا مزہ الگ الگ بنایا ہے، آم کا مزہ الگ ہے، انگور کا مزہ الگ ہے، سیب کا مزہ الگ ہے، جتنے میوے ہیں سب کا مزہ الگ الگ ہے، اللہ اللہ! قربان جایئے اپنے رب کے، کتنی چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں، جس طرح کھانے پینے کی بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح مختلف نوع کی سواریاں بھی پیدا فرمائی ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَّ يَخْلُقُ مَا لاَتَعْلَمُوْنَ﴾ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے بھی، اور فرماتے ہیں کہ ایسی سواریوں کو پیدا کرنے والے ہیں جن کو تم نہیں جانتے، اس آیت میں قیامت تک جتنی نئی نئی سواریاں ایجاد ہوں گی وہ سب داخل ہیں ہم اس میں بھی غور کریں اور تھوڑی عقل اس میں بھی لگادیں کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بنا کر بھیج دیتے اور یہ ساری چیزیں نہ ہوتیں تو

انسان کی زندگی محال ہوتی اور اگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کا کیا نقصان؟ پانی کا کیا نقصان؟ ہوا کا کیا نقصان؟ پھلوں کا کیا نقصان؟ غلے کا کیا نقصان؟ انسان نہ ہو تو ان چیزوں میں سے کسی کا کچھ نقصان نہ ہو، البتہ اگر انسان ہو اور یہ چیزیں نہ ہوں تو اس میں ہمارا ہی نقصان ہے کیونکہ اگر انسان کھانا نہیں کھائے گا تو زندہ نہیں رہے گا، کپڑا نہیں رہے گا تو ننگا گھومے گا، ہوا نہ ہو تو سانس کیسے لے گا، پانی نہ ہو تو پیاس سے مر جائے گا، ان میں سے ایک ایک چیز انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، ارے بھائی ذرا ہم اس کو سوچیں کہ یہ آسمان کس کے لئے ہے؟ یہ زمین کا فرش کس کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ پہاڑوں کا میخ زمین میں کیوں ٹھونکا گیا ہے؟ اگر پہاڑ نہ ہوتا تو زلزلہ آجاتا، زمین الٹ پلٹ جاتی، آپ جانتے ہیں کہ دو تین منٹ کا زلزلہ کتنی تباہی لاتا ہے اور کتنوں کو الٹ پلٹ دیتا ہے، پہاڑوں کی وجہ سے یہ زمین تھمی ہوئی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب نعمتوں پر امتنان فرمایا ہے اور بطور احسان اس کا ذکر فرمایا ہے کاش! ہم کو قرآن پڑھنے کی توفیق ہوتی، کاش قرآن کا سمجھنا ہمیں نصیب ہو جاتا تو ہمارا دل ایمان سے لبریز ہو جاتا ہماری زندگی بدل جاتی، سنئے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰداً وَّالْجِبَالَ اَوْتَاداً وَّ
خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجاً وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً وَّ
جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاساً وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً وَّ

بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعاً شِدَاداً وَّ جَعَلْنَا سِرَاجاً وَّهَّاجاً وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ا ثَجَّاجاً لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَباً وَّ نَبَاتاً وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافاً ﴾

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم ہی نے تمہیں جوڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا، اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

ہمارے لئے آسمان کی چھت بنایا، زمین کا فرش بنایا اور ساری چیزوں کو پیدا فرمایا، ہم ساری چیزوں کے محتاج ہیں، کھانا نہ کھائیں تو مر جائیں، ہوا نہ ہو تو ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی ہے کہ ان سب چیزوں کو مہیا فرمایا اور اس میں بھی انسان کی طبیعت اور فطرت کا لحاظ فرمایا کیونکہ فطری طور پر انسان ایسا ہے کہ اگر ایک ہی چیز اس کو روزانہ ملتی رہے تو خواہ کتنی ہی عمدہ ہو اس کا جی اس سے ہٹ جاتا ہے اگر روزانہ آدمی پلاؤ اور قورمہ ہی کھائے جب بھی کچھ دنوں کے بعد اس کا جی ہٹ جائے گا، تو فطرت بشری یہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ رنگ برنگ کی نئی نئی چیزیں ملیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا ہی انتظام فرمایا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے ﴿اَللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

پس بتلاؤ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و عنایت اور اس کے بے شمار فضل و انعام کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اسی مالک کی نافرمانی کریں جس نے ہر چیز ہمارے لئے بنائی، آسمان و زمین بنایا، پانی دیا، پہاڑ بنائے، ہوائیں چلائیں، رات اور دن بنایا، اگر رات ہی رات ہوتی دن نہ نکلتا تو کیا ہوتا؟ آدمی کتنا پریشان ہوتا؟ اور اگر دن ہی دن ہوتا رات نہ ہوتی تو کیا حالت ہوتی؟ چین و سکون نہ ملتا، آدمی کیسے زندہ رہتا؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی، اب وہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، کیا اس کے احسانات کا یہی شکر ہے؟۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری

یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب کے سب اس لئے کام میں مشغول ہیں تاکہ تم اپنی روزی حاصل کرو اور غفلت کے ساتھ نہ کھاؤ۔

ہمہ از بہر تر سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

یہ سب کے سب تمہارے لئے مسخر و فرماں بردار ہیں تو یہ بڑی ہی ناانصافی کی بات ہوگی کہ تم حق تعالیٰ کے فرماں بردار نہ بنو۔

یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمائی ہیں اور انسان کو صرف اپنے لئے بنایا بس یہی راز و حکمت ہے، سبحان اللہ! اس شرف پر قربان ہو جانا چاہئے کہ ساری چیزیں تو ہمارے لئے بنائیں اور ہم کو صرف اپنے لئے

بنایا کہ تم میرے غلام بن کر رہو اور تم میرے ہو جاؤ، فرماتے ہیں ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ یعنی میں نے جن و انس کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کرے اور مجھ کو پہچانے، تو بھائی ہم قرآن کو سمجھیں اور مسلمان و فرماں بردار بنیں، مسلمانوں کے حالات دیکھ کر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری بداعمالی اور بدحالی کی وجہ سے طرح طرح کی ذلت و رسوائی ہم پر مسلط ہے اور ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں، اللہ کی نافرمانی معمولی چیز نہیں ہے اس کی وجہ سے کتنی بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا، کتنی قوموں کو تباہ و برباد فرمایا اور قرآن میں ان واقعات کو اسی لئے بیان فرمایا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴾ غرض کتنی بستیاں ہیں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں، سو وہ چھتوں پر گر پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے قلعی چونے کے محل (یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے)

اگر قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے والے ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ کتنی بستیوں اور شہر و قریہ کے رہنے والے ہیں کہ جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کی نافرمانیاں کیں تو ان پر اللہ کا عذاب آیا، بستیاں الٹ دی گئیں کنویں اور مضبوط مکان سب معطل و بیکار پڑے رہ گئے اس کے علاوہ بھی طرح طرح کا عذاب آیا، کسی کو اللہ تعالیٰ نے بندر بنادیا، کسی کو خنزیر بنادیا، کسی کو زمین میں

دھنسادیا، کسی پر آندھی آئی، کسی پر طوفان آیا، کسی پر آگ برسائی گئی۔

قربان جایئے آقائے دوجہاں محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یااللہ! ہماری امت کی صورتیں مسخ نہ ہوں اور ہماری امت پر یکبارگی ایسا عذاب نہ آوے کہ ساری کی ساری تباہ ہو جاوے، اور آپ ﷺ کی یہ دعا قبول ہو گئی ورنہ آج دیکھتے کہ ہم میں سے کتنے لوگ بندر اور سور بنا دیئے جاتے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم اس محبوب کی امت کہلا کے اور اس کے عشق کا دم بھر کے پھر انہیں کی مخالفت کرتے ہیں۔

امم سابقہ کے اندر جب کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو دن کا گناہ شام کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوتا تھا کہ آج اس نے فلاں فلاں نافرمانی اور گناہ کیا، اور جب رات کو کوئی گناہ کرتا تو صبح کے وقت دروازہ پر لکھا ملتا تھا کہ اس نے فلاں فلاں گناہ آج رات میں کیا، مگر حضور اقدس ﷺ کے طفیل ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوتا اور اس امت پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ ستاری فرماتے ہیں اور آپ کی برکت سے ہم کو یہ شرف ملا کہ ہم سے کتنا ہی گناہ سرزد ہو جائے مگر ہم اس طرح رسوا نہیں کئے جاتے کہ صبح کو دروازہ پر لکھا ہوا ملے کہ اس نے فلاں فلاں گناہ کیا ہے، ان عنایات کو دیکھ کر حق تعالیٰ پر قربان ہونا چاہئے اور واقعی ایسے محبوب پر فدا ہو جانا چاہئے۔

مؤمن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کر کے بھی روتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے کے باوجود ہنستا رہتا ہے،

ایک دفعہ چند صحابی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے اس میں کچھ ہنسی کی بات آگئی تو ہنسنے لگے، اتنے میں اللہ کے محبوب ﷺ ادھر سے گذرے تو ان کو ہنستا دیکھ کر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں، اس سے صحابہؓ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بیساختہ بول اٹھے "آنَ وَحَانَ، آنَ وَحَانَ" یعنی وہ وقت آگیا کہ ہمارے قلوب دہل جائیں۔

آج جو گناہ و نافرمانی سے ہمارے اندر کوئی اثر اور کوئی حرکت نہیں پیدا ہوتی سمجھ لیجئے کہ اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر نہیں، قلوب مردہ ہو چکے ہیں اور اللہ کا اور اللہ کے عذاب کا خوف دلوں سے نکل چکا ہے۔

اگر مسلمان کامیابی اور فلاح چاہتا ہے، دنیا میں مطمئن ہو کر رہنا چاہتا ہے، اپنی زندگی کو پاک بنانا چاہتا ہے، حیات طیبہ کا طالب ہے تو اس کو چاہئے کہ عمل کی طرف آوے، کیونکہ عمل ہی پر فلاح و کامیابی اور حیات طیبہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً﴾ جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو تو ہم اس کو ضرور بالضرور خوشگوار زندگی عطا فرمائیں گے۔

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن پاک دوسروں کے لئے آیا ہے؟ آخر اس کی یہ آیات کس کے لئے ہیں؟ اور ہم اس کی طرف کیوں نہیں توجہ

کرتے؟ قرآن پاک تو سارے جہان والوں کے لئے آیا ہے ارشاد فرماتے ہیں ﴿الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

کاش کہ ہم قرآن کو سمجھتے اور اس کے مرتبہ کو پہچانتے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس کو قرآن میں لذت مل جاتی ہے اور اس کا مزہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔

حدیث پاک کے اندر آتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو قرآن دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کسی شخص کو دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دی گئی ہے تو اس نے ایک بڑی چیز کی تحقیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی یعنی جس کو قرآن کا علم دیا گیا پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو اس سے بڑا سمجھا تو اس نے اللہ کے کلام کی ناقدری کی۔

ارے بھائی سنو! جس کو قرآن کا مزہ مل گیا اس کو وہ نعمت مل گئی جس کے مقابل دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں کچھ بھی نہیں وہ تو اتنا مطمئن ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کے سامنے ہیچ در ہیچ اور بالکل بے حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ

بادشاہت کو بھی کچھ نہیں سمجھتا، صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کے حالات کا تو پوچھنا ہی کیا ان کے بعد کے سلاطین اور خلفاء کے حالات بھی آج کے خواص سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھے۔

ہارون رشید جو خلیفۂ وقت تھے اور خود بھی بہت بڑے عالم تھے ان کے دونوں صاحبزادے امین و مامون کو قاضی یحییٰ تعلیم دیتے تھے ایک دن جب استاد پڑھا کر فارغ ہوئے اور جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو دونوں لڑکے استاد کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے جھپٹے اور آپس میں جھگڑنے لگے، ہر ایک چاہتا تھا کہ استاد کا جوتا میں ہی سیدھا کروں بالآخر دونوں اس پر راضی ہو گئے اور مل کر ان کا جوتا سیدھا کیا، قاضی صاحب نے ان میں اس طرح صلح کرا دی کہ بھائی آپس میں جھگڑا مت کرو بلکہ ایک جوتا تم سیدھا کرو اور ایک جوتا یہ سیدھا کر دیں، ایک دن کھانے کے وقت ہارون رشید نے قاضی یحییٰ سے پوچھا کہ قاضی صاحب بتلایئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ عزت کس کو دی ہے؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا کہ حضور اس وقت تو آپ ہی کو سب سے زیادہ عزت حاصل ہے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، ہارون رشید نے فرمایا کہ قاضی صاحب آپ کا جواب غلط ہے، انہوں نے کہا پھر آپ ہی بتایئے تو کہا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب سے زیادہ عزت اس کو دی ہے جس کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے مسلمانوں کے دو ولی عہد (ہمارے لڑکے) آپس میں لڑتے ہیں اور پھر اس طور پر صلح ہوتی ہے کہ دونوں مل کر ایک ایک

جو تا سید ھا کریں، آپ کے سینے میں قرآن ہے، آپ کے قلب میں حدیث ہے اس سے بڑھ کر عزت کی اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ سبحان اللہ! ایک وقت ایسا تھا کہ امراء وسلاطین کے قلوب میں علماء کی اس قدر عظمت تھی، لیکن آج تو مسلمان علماء کا احترام بالکل ختم کر چکا ہے، مگر اس میں عوام سے زیادہ خواص کا قصور ہے، علماء نے بھی اپنے کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچادیا، علماء کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ حق بات کہا کریں، ان کے دل میں نہ مال کی طمع ہو نہ جاہ کی طمع ہو، جو عالم کہ واقعی عالم ربانی ہوگا وہ ہمیشہ حق ہی بات کہے گا، اللہ کی سچی بات بتلائے گا، قرآن وحدیث کے مطابق دعوت دے گا، توحید کی طرف بلائے گا، شرک وکفر سے روکے گا، بدعات سے روکے گا، رسم ورواج سے روکے گا، من مانی زندگی سے روکے گا اور اس کو اس بات کی مطلق پروا نہیں ہوتی کہ کوئی آئے یا نہ آئے، ان کی شان یہ ہوتی ہے ”لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، ان کی نظر محض اللہ پر ہوتی ہے، مخلوق سے وہ طمع کو قطع کر چکے ہوتے ہیں، اس باب میں بھی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہ کہا ﴿وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی میں تم سے تبلیغ پر اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے۔

سبحان اللہ! یہ بہت اونچا مقام ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

انبیاء کرام علیہم السلام کی امداد ہوتی ہے، بعد والے بھی جب اس کام کو کریں تو اس چیز کو پیش نظر رکھیں، آج مسلمانوں کے حالات دیکھ کر بعض وقت کچھ بولنے کو بھی جی نہیں چاہتا کیونکہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، وہ فرماں بردار نہیں بننا چاہتا، بس نام کا مسلمان رہ گیا ہے اور ساری چیزیں بس رسماً رہ گئی ہیں اور پھر یہ چاہتا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں، تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ پہلے ہم واقعی مسلمان بنیں اور اللہ ورسول ﷺ کی فرماں برداری اختیار کریں تو رحمت کے دروازے آج بھی کھلے ہیں۔

سنو! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور اسلام کے یہی پانچ بڑے اہم جزو ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، انبیاء کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے عقیدے کی دعوت دی ہے، عقیدہ درست ہو جائے، توحید دل میں آجائے، رسالت کا یقین پیدا ہو جائے، قیامت کا یقین ہو جائے، ملائکہ پر یقین ہو جائے، جزاوسزا کا یقین ہو جائے، جنت وجہنم کا یقین ہو جائے، اللہ کی ذات وصفات پر یقین کہ اس کی ذات ازلی وابدی ہے اور اس کی صفات غیر متناہی ہیں اور اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، تو ان چیزوں کا تعلق عقائد سے ہے اور یہ بنیادی چیزیں ہیں، اگر آدمی آسمان وزمین کے برابر عبادت کرلے لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کرتا ہو تو واللہ! سمجھ لیجئے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ

اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ جو اللہ کی ذات یا اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام فرمادیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالم لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

شرک خفی سے بچنا تو بہت مشکل ہے آج تو لوگ شرک جلی میں مبتلا ہیں، اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر کسی شخص نے آسمان وزمین کے برابر گناہ کیا ہو لیکن توحید اس کے اندر ہے اور شرک سے بچ گیا ہے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا چاہے کچھ سزا بھگت کر ہی کیوں نہ جائے مگر جائے گا ضرور۔

انبیاء کرام علیہم السلام شرک ہی کے مٹانے کے لئے اور توحید کی دعوت دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے اور اسی کے لئے ان پر طرح طرح کے مصائب وشدائد آئے مگر وہ ثابت قدم رہے کیونکہ ان کی نظر اللہ پر تھی ان کا توکل اللہ ہی پر تھا، آج ہمارے قلوب میں شرک آگیا ہے، اللہ پر اعتماد نہیں، اللہ پر توکل اور بھروسہ نہیں، مخلوق پر تو ہم بھروسہ اور توکل کرتے ہیں مگر خالق کا بھروسہ ہمارے قلب کے اندر نہیں رہا۔

ہمارے حضور جناب محمد رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے اور اپنی تلوار کو درخت کی شاخ میں لٹکادیا تھا، ایک دشمن جو اس تاک میں تھا کہ موقع ملے تو اللہ کے رسول ﷺ کو ختم کردوں، وہ چپکے سے آیا اور حضور اقدس ﷺ کی آنکھیں بند دیکھ کر تلوار اتارلی اور للکار کر کہا اے محمد (ﷺ) اب مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ اللہ کے محبوب ﷺ

فرماتے ہیں کہ "اللہ" بس یہ کہنا تھا کہ اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار نیچے گر گئی، نبی کریم ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا اب مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بڑے کریم ہیں آپ کے کرم کے سوا کوئی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا میں نے تجھ کو معاف کر دیا، وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا " اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اللہ اللہ! یہ وہ کلمہ ہے کہ دشمن کو دوست بنا دیتا ہے، ابھی جو شخص جان کا دشمن تھا اس کلمہ کی برکت سے محبین میں اور جاں نثاروں میں شامل ہو گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لاَّ تَخَافُوْا وَلاَتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

اس آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے کہ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر وہ اٹل رہے کہ اب میں نے اللہ کو رب بنالیا تو پھر مصائب آئیں، شدائد آئیں، تکلیفیں آئیں، بیماری آئے، فقر و فاقہ آئے، کوئی بھی پریشانی آئے، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر حاضر ہیں، کسی حال میں اس کے در کو وہ نہیں چھوڑتے اس لئے کہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اسی کو استقامت کہتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگوں کو

مرتے وقت فرشتے یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ ﴿ لَاتَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

چونکہ مؤمن دنیا میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور ساری زندگی اس پر یہی خوف طاری رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد کیا پیش آنے والا ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں اور گویا اس کو اس طرح مطمئن کرتے ہیں کہ تم دنیا میں بہت ڈر چکے اور زندگی بھر ڈرتے ہی رہے اب تمہارے خوف کا وقت گذر چکا لہٰذا آج سے نہ تمہارے لئے خوف ہے نہ رنج ہے، اب تم نہ ڈرو نہ رنج کرو بلکہ جنت کی بشارت حاصل کرو، یہ بشارت موت کے وقت بھی ہوتی ہے اور قبر میں بھی ہوتی ہے، قیامت کے دن بھی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ہمہ وقت ان پر خوف طاری رہتا ہے انہیں کے واسطے یہ بشارت وخوشخبری ہے جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی مثنوی میں اس کی جانب اشارہ فرماتے ہیں ۔

❁

لا تخافوا ہست نزل خائفاں　　　ہست درخور از برائے خائف آں
آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس　　　درس چہ دہی نیست او محتاج درس

یعنی ﴿لا تخافوا﴾ سے اہل خوف کی مہمانی کی جاتی ہے اور خائف کے حال کے مناسب بھی یہی ہے (کہ اس سے کہا جائے کہ تم بہت ڈر چکے اب مت ڈرو) کیونکہ جس کو پہلے ہی سے خوف نہ ہو اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مت ڈرو، خوف کا درس ایسے شخص کو کیا دو گے جو کہ اس درس کا محتاج نہ ہو۔

الغرض آخرت میں مطمئن ہونا چاہتے ہو تو دنیا میں اپنے اندر خوف پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہو، نیز اللہ کی طرف سے جو آزمائش ہو اس میں ثابت قدم رہو تاکہ اس بشارت اور خوش خبری کے مستحق قرار دیئے جاؤ اور یہ بھی سمجھ لو کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کرر کھا ہے کہ بس "اٰمَنَّا" کہہ دیں اور ان کو چھوڑ دیا جائے ان کی آزمائش نہ کی جائے، مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش بھی ہوگی اور کھرا کھوٹا دیکھا جائے گا تاکہ سچے اور جھوٹے کی تمیز ہوسکے، جس طرح سونے چاندی میں جو کھوٹ ہوتا ہے تو اس کو تپایا جاتا ہے تاکہ کھوٹ نکل جائے اور وہ کھرا ہو جائے اسی طرح جو ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی آزمائش کرتے ہیں تاکہ کھرا ہو کر نکل آئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾اور دیکھو ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فقر و فاقہ سے اور مال و جان سے اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے سمجھ کر) یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائیں تو کچھ دنوں کے بعد ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، مخالفین نے ان پر طعن کیا کہ لو! تم کو لات و عزیٰ نے خوب سزا دی کہ ایک آنکھ جاتی رہی، تو وہ فرماتی ہیں کہ اگر میری دوسری آنکھ بھی پھوٹ جائے تو بھی میں یہی کہوں گی کہ میرے مولیٰ نے مجھ کو آنکھ دی تھی اور اسی نے لے لی، لات و عزیٰ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مجھ کو ایمان کی دولت مل گئی اب اس کے بعد مجھے آنکھ کے جانے کی کچھ پروا نہیں، اس پر بھی میں راضی ہوں کیونکہ یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، مؤمن کی یہی شان ہے کہ وہ نفع و ضرر سب اللہ ہی کی طرف سے دیکھتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی لئے اس کی زندگی بڑی اطمینان والی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی جو کچھ مصیبت تم کو پہنچتی ہے اللہ ہی کے حکم سے پہنچتی ہے، نیز فرماتے ہیں ﴿وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْ عَنْ كَثِیْرٍ﴾ یعنی تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے

کرتوت اور گناہوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ پکڑ لیں تو کوئی آدمی ان کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا، وہ تو ایسے حلیم ہیں کہ باوجود نافرمانیوں کے ستاری اور پردہ پوشی فرماتے رہتے ہیں اور گرفت اور پکڑ سے بندوں کو چھوڑتے رہتے ہیں، کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حلم نہیں ہے کہ باوجود نافرمانیوں کے ہم کو کھانا مل رہا ہے، پانی مل رہا ہے، لباس مل رہا ہے، بیٹی بیٹا مل رہا ہے اور سب کچھ مل رہا ہے، ہم کو شرم آنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات دیکھ کر ان کی نافرمانی سے باز آنا چاہئے، ہم کو صحابہؓ کے حالات میں غور کرنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہم کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنوار لیں دنیوی ساز وسامان سے نہیں بلکہ ان چیزوں سے اپنے کو آراستہ کر لیں جو آخرت میں کام آنے والی ہیں، حضرات صحابہؓ اپنے فقر وفاقہ کے حال میں رہتے تھے اور اسی طرح چلتے پھرتے تھے اور مشرکین مکہ اپنی دولت پر اور اپنے جتھے پر ناز کرتے ہوئے اکڑ کر چلتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی ان کافروں کا دنیا میں اس طرح پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، ارے یہ متاع قلیل ہے، دنیا کی تھوڑی سی پونجی ہے پھر ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

صحابہؓ کے اندر ان آیات کا اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا ایسا یقین تھا کہ

ان کو کوئی چیز اس سے ہٹا نہیں سکتی تھی، وہ جانتے تھے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے یہاں کا عیش و آرام بھی فانی ہے اور جنت کی نعمت و راحت ازلی و ابدی ہے اس لئے اس کی فکر میں رہتے تھے اور اسی کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے تھے، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی اور جن لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور توحید اختیار کرلی تو ان پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں، تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر وہ اپنی توحید پر ثابت قدم رہے اور لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور اسوۂ حسنہ چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں جلایا گیا، ان کا کیا جرم تھا؟ یہی تو کہ ایک اللہ کی بندگی کرتے اور اسی کی دعوت دیتے تھے، نمرود کا زمانہ تھا اس کے حکم سے لکڑیوں کا انبار جمع کیا گیا اور اس میں آگ روشن کی گئی چنانچہ اس آگ میں ایسے شعلے بھڑکنے لگے کہ ادھر سے چڑیاں اڑ کر جا نہیں سکتی تھیں اور اسی دہکتی آگ میں ابراہیم خلیل اللہ کو جھونکنے کے لئے لے گئے، اس وقت آپ کے پاس آسمانوں کے فرشتے آتے ہیں کہ اللہ کے خلیل اگر آپ فرمائیں تو ہم آگ کو بجھادیں، آپ فرماتے ہیں کہ نہیں میرا رب مجھ کو کافی ہے، آخر میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے خلیل اگر آپ فرمائیں تو میں اپنا پر ماردوں اور یہ سب آگ سرد پڑ جائے، آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے وہ جو کرے میں اس پر راضی ہوں، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ ان کی نظر مخلوق پر نہیں ہے اور ان کی توحید خالص ہے اور

یہ سب سے کٹ کر ہماری طرف نظر لگائے ہوئے ہیں تو رحمت خداوندی جوش میں آئی اور آگ کو حکم فرمایا ﴿قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلاَمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں، چنانچہ وہ آگ بھی حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے حق میں بحکم خداوندی گلزار بن گئی، دیکھا آپ نے! یہ تھی توحید اور یہ تھا توکل اور یہ تھی اللہ پر نظر کہ کسی مخلوق سے کوئی مدد نہیں چاہی اور راضی بقضائے الٰہی رہے، پھر اللہ کی طرف سے کیسی کچھ مدد ہوئی، آج بھی ہم اگر توحید اختیار کریں اور اللہ پر اپنی نظر رکھیں تو آج بھی وہی نصرت اور وہی رحمت ہم پر ہو سکتی ہے اسی کو علامہ اقبال نے کہا تھا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ارے وہ ایمانی طاقت اور وہ یقین نبی کے برابر بھلا ہم کہاں پیش کر سکتے ہیں مگر کچھ تو کریں، ہمارا تو یہ حال ہے کہ کرنا دھرنا کچھ نہیں چاہتے اور ثمرات کے خواہشمند رہتے ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اگر سنتا ہے تو سننے کے بعد اس پر عمل کرے، صرف سننا مقصود نہیں ہے بلکہ باتوں کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا مقصود ہے، بزرگوں نے لکھا ہے کہ علماء طبیب روحانی ہیں اور ہم سب سامعین مریض کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر یہ بھی صاف فرمادیا کہ ہر عالم اس سے مراد نہیں بلکہ وہ علماء مراد ہیں جو عالم ربانی کہلاتے ہیں، جو حق بات پیش

کرنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے بلکہ بلاخوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کسی کی پروا نہیں کرتے۔

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ شاہزادے کو فکر ہوئی کہ میں ریشم کا لباس پہنوں یادرکھو کہ جو چیز مردوں پر حرام کی گئی ہے وہ چھوٹے بچوں کے لئے بھی حرام ہے اور جو چیز عورتوں کے لئے ناجائز ہے وہ چھوٹی بچیوں کے لئے بھی ناجائز ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بچے ہیں ان کو کیا؟ چلو تماشا دکھالاؤ، ان کو ریشمی لباس پہنادو، اور یہ نہیں جانتے کہ وہ تو بچے ہیں نابالغ ہیں ان کو گناہ نہ ہو نہ سہی لیکن آپ تو مکلّف ہیں آپ مجرم بن رہے ہیں، تو خالص ریشم بچوں کے لئے بھی حرام ہے اور مردوں کے لئے بھی حرام ہے، دنیا میں جو خالص ریشم پہنے گا اس کو جنت میں ریشم کا لباس نہیں ملے گا یہاں پہنتے ہو تو پہن لو وہاں محروم ہو جاؤ گے، بہر کیف شہزادے کو ریشمی کپڑا پہننے کا خیال پیدا ہوا تو دربار میں جو مولوی لوگ ملازم تھے ان سے شاہزادے نے جواز کا فتویٰ چاہا تو ان لوگوں نے کہہ دیا کہ ہاں بادشاہ کے لئے جائز ہے پہن سکتے ہیں اور ادھر ادھر کرکے بات بنادی مگر شاہزادے نے کہا جب تک ملا جیون اس فتوے پر دستخط نہیں کریں گے میں ریشم استعمال نہیں کروں گا ملا جیون کے پاس جب فتویٰ کو لے گئے تو انہوں نے کہہ دیا "مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند" فتویٰ دینے والے

اور فتویٰ پوچھنے والے دونوں مجرم ہیں اور دونوں کافر ہوگئے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جس چیز کو حرام فرمادیں اس کو حلال قرار دینا صریح جرم ہے اور کھلا ہوا کفر ہے، اب کیا تھا لوگوں نے جاکر دربار میں شکایت پہنچادی کہ ملاجیون نے تو ایسی سخت بات کہہ دی بس کیا تھا جلاد مقرر کردیئے گئے اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ ملاجیون کا سر قلم کرلیا جائے، اب ذرا علماء ربانی کا حال سنئے، یہاں تو جلاد تعینات کردیئے گئے اور وہاں ملاجیون سے لوگوں نے جاکر کہا کہ حضرت آپ کے قتل کے لئے جلاد مقرر کردیئے گئے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ کیا یہی جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کردی اور آپ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دینے سے منع کردیا؟ اچھا تو لاؤ میں بھی وضو کرکے تیار ہو جاؤں اس لئے کہ وضو مؤمن کا ہتھیار ہے، ان کو بھی جوش آگیا کہ میں بھی ایمانی ہتھیار سے تیار ہو جاؤں اور اسی کیفیت میں وضو کرنا شروع کردیا، لوگ دوڑے ہوئے دربار میں پہنچے اور کہا کہ ملاجیون کو جوش آگیا اور آپ کے مقابلہ کے لئے وضو کرکے تیار ہورہے ہیں اب خیر نہیں ہے، یہ سن کر بادشاہ پر لرزہ طاری ہوگیا اور آکر معذرت کی۔

آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کیوں ڈر گیا؟ وہ سمجھ گیا کہ ملاجیون اللہ کے ولی ہیں ان کی خفگی میں ہماری خیر نہیں کیونکہ اللہ کے ولیوں کو جو ستاتا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لیں گے، حدیث قدسی ہے "مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیاً فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" یعنی جو میرے ولی سے عداوت رکھے اس سے میں

اعلان جنگ کرتا ہوں وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔

عالم ربانی کا یہی مقام ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ قول حق ہی رہتا ہے ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قول جو حق تھا وہی لب پر رہا حلق میرا گو تہِ خنجر رہا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ کسی ظالم و جابر کے سامنے حق بات بیان کر دے، علماء ربانی کا یہی کام ہے کہ وہ حق پہنچانے میں ذرا بھی نہ ڈریں، مگر آج ہمارے اندر مداہنت آگئی اور ہم حق کہنے سے ڈرنے لگے کہ ہمارے مال کا نقصان ہو جائے گا، لوگوں سے ہماری عقیدت ختم ہو جائے گی، دنیا ہمارے پاس سے ہٹ جائے گی، حالانکہ ہم کو اللہ کے راضی کرنے کی فکر کرنا چاہئے اور جب ہم نے اللہ کو رب مان لیا تو پھر خالی زبان سے "ربنا الله" کہنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا حکم فرمایا ہے اسی کے مطابق زندگی گذاریں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کریں اور واقعی اللہ کو رب ماننے کا ثبوت دیں، اپنے عقائد کو درست کریں اور جی لگا کر اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ ساتھ معاملات کو بھی درست رکھیں، اخلاق وعادات کو شریعت کے مطابق بنائیں۔

آج ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کا عقیدہ درست ہے تو عبادت سے غافل ہے اور اگر کچھ عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے معاملات درست نہیں ہیں اور اگر معاملات کی کچھ فکر ہے تو اخلاق بگڑے ہوئے ہیں اور

معاشرت خراب ہے، یہ سمجھ لیجئے کہ مؤمن کامل فرماں بردار اور اطاعت گذار اسی وقت ہوگا جب اس کی یہ سب چیزیں درست ہوں، معاشرت بھی درست ہو، اخلاق بھی درست ہوں، معاملات و عبادات بھی اور عقائد بھی درست ہوں، آپس میں نفاق نہ ہو، دلوں کے اندر محبت ہو، غرضیکہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّ لاَتَفَرَّقُوْا﴾ اور مضبوط پکڑلو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے چھ رتی مال کسی ناجائز طریقے سے لے لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر اس حق والے کو دے دیں گے، اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ناجائز طریقے سے لے لی تو اللہ تعالیٰ سات طبق زمین کا طوق اس کی گردن میں پہنائیں گے اسی طرح ذرا ذرا سی حق تلفی میں سب عبادات ختم ہو جائیں گی اور آدمی خالی رہ جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ بھائی بتلاؤ کہ مفلس کون ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جس کے پاس مال و دولت نہ ہو وہی مفلس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نیکیوں کا انبار اور ڈھیر لے کر آئے گا اور ہر طرف سے مدعی کھڑے ہو جائیں گے کہ اے اللہ! اس نے ہم پر بہتان لگایا تھا کوئی کہے گا اے اللہ! اس نے ہم کو گالی دی تھی، کوئی کہے گا اے اللہ! اس نے

ہماری غیبت کی تھی، الغرض کوئی کسی حق کا مطالبہ کرے گا اور کوئی کسی حق کا دعویٰ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں چھین چھین کر اہل حقوق کو دے دی جائیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی ساری نیکیاں چھین چھین کر دوسروں کو دے دی جائیں گی اور یہ خالی رہ جائے گا، اور پھر بھی مدعی باقی رہ جائیں گے تو باری تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ ان لوگوں کے گناہ اس کے سر پر لاد دیئے جائیں اور اس طرح وہ اپنی سب نیکیوں کو کھو کر گناہوں کا بوجھ لاد کر جہنم رسید ہو جائے گا، در حقیقت یہی مفلس ہے۔

ہمارے اندر یہ صفت ہونی چاہئے کہ عبادت بھی درست ہو، معاملات بھی درست ہوں، ہمارے اندر دیانت بھی ہو، صداقت بھی ہو، امانت بھی ہو، اخلاق بھی ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ہم پہلوان اس کو سمجھتے ہیں جو کشتی میں اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہو، جب غصہ آئے تو اس کو پی جائے، آج جس قدر فتنہ وفساد برپا ہے سب اسی غصہ کی وجہ سے ہے، ایک بات اگر کوئی کہہ دے تو دیکھئے اس سے کتنا غصہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کس قدر فساد پھیلتا ہے، کتنی دشمنی پیدا ہوتی ہے، اور کتنے دل ٹوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہیں وہ لوگ

جو کہ غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے در گذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

ہائے اللہ! ہم کس سے کہیں اور کیسے کہیں، پورا قرآن تعلیمات سے بھرا پڑا ہے، ذرا ہم دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں کہ جو لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں (یہ محسن ہیں اور) اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتے ہیں، بھائی سمجھ لیجئے کہ غصہ بھی ایک طریقہ سے جہنم کی آگ ہے، مگر آج غصہ کا یہ عالم ہے کہ ذرا سی بات کسی کو برداشت نہیں، حتیٰ کہ اگر کسی کے فائدے کے لئے بھی اس سے حق بات کہی جائے تو غصہ ہو جاتے ہیں، بالکل اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں اور اسی غصہ اور بداخلاقی کی آگ میں سارا عالم جل رہا ہے، ہم کو تو مسلمانوں کے اس حال پر رونا آتا ہے کہ ہائے اللہ! مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے، آپس میں جتنے اختلافات ہوتے اور بڑھتے ہیں وہ سب اسی غیظ و غضب کے نتائج ہیں مگر لوگ اس کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کیا اللہ کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ بسم اللہ کے باء سے والناس کے سین تک جو کچھ ہے سب کو ماننا ضروری ہے، اگر اس کے اندر کسی ایک آیت کا انکار کرو گے تو مؤمن نہیں رہ جاؤ گے کیونکہ ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے، خدا کی کتاب باء سے شروع ہوتی ہے اور سین پر ختم ہوتی ہے دونوں کا مجموعہ "بس" ہے جس کے

معنی یہ ہیں کہ بس خدا کی کتاب کافی ہے، حسبنا کتاب اللہ، اصل یہی ہے کہ آدمی کتاب و سنت کی پابندی کرے اور اسی کے مطابق اپنے کو بنائے، مسلمان کے معنی یہی ہیں، پورا مسلمان آدمی اسی وقت ہو گا جب سب آیات پر عمل کرے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہ آیات کی پروا، نہ سنت کا لحاظ، نہ حدیث کی رعایت، نہ تعلیمات نبوی پر عمل، آپ خود دیکھ لیجئے کہ بعض مسلمان ٹخنے سے نیچے پائجامہ اور تہہ بند لٹکائے رہتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "مَنْ اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ اِزَارَهٗ فَهُوَ فِي النَّارِ" یعنی جس کا ازار ٹخنے سے نیچے لٹکا وہ جہنم میں جائے گا اور فرماتے ہیں "مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ خُيَلَاءَ فَهُوَ فِي النَّارِ" جو اپنا پائجامہ اور تہہ بند زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، اسی بناء پر ٹخنے سے نیچے پائجامہ لٹکانے کو علماء نے حرام لکھا ہے، لہٰذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، جب ہم لوگ یہ مسائل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کیا اسی میں اسلام ہے؟ ان سے میں کہتا ہوں کہ ہاں بھائی ہر چیز میں اسلام ہے، اخلاق میں، عادات میں، معاملات میں، عبادات میں، غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں اسلام کی تعلیمات موجود ہیں اور ان پر عمل کرنے کا مسلمان مکلّف ہے، اگر کسی شعبہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کا اسلام ناقص رہ جائے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے

عارف باللہ تھے، انہوں نے ایک دفعہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آنکھ بند کر کے نماز پڑھی، بعد میں ان کی نماز کو نہایت حسین و جمیل شکل میں دکھایا گیا انہوں نے دیکھا کہ جیسے جنت کی ایک حور نہایت حسینہ و جمیلہ بہت عمدہ لباس میں سامنے کھڑی ہے مگر اس کے آنکھ نہیں تھی اندھی تھی، آکر حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا اور اس کے آنکھ نہ ہونے کا سبب دریافت کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے آنکھ بند کر کے نماز پڑھی ہو گی، اب آنکھ کھول کر نماز پڑھنا اس لئے کہ سنت یہی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا جی آنکھ بند کرنے سے نماز میں لگتا ہو تو آنکھ بند کر کے پڑھنا درست ہے لیکن آنکھ کھول کر نماز پڑھنا سنت ہے اس لئے اولیٰ و افضل یہی ہے کہ آنکھ کھول کر نماز پڑھے خواہ کھول کر پڑھنے میں خشوع کم ہی معلوم ہو۔

بھائی! اللہ کا جو قرب سنت کے اندر ہوتا ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ جو نماز بلکہ جو کام سنت کے مطابق کیا جائے گا اس میں اللہ کا قرب زیادہ ہو گا، پس ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ و رسول کے احکام کو معلوم کریں اور اس کے مطابق عمل کریں اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں، فرماں بردار ہیں، اطاعت گذار ہیں، ہماری یہی شان ہونی چاہئے، اللہ کے بندے تو کیسے کیسے گذرے ہیں، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، اولیاء کاملین، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین کے حالات دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اتباع سنت کسے کہتے ہیں اور فرماں برداری کس چیز کا نام ہے، انقیاد اور احکام کی

پابندی کس کو کہتے ہیں، خیر! ان کا زمانہ بہت دور ہو چکا زمانۂ حال میں دیکھئے کیسے کیسے اللہ کے بندے ابھی گذرے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ دیوبند کے ایک جلسہ میں تشریف لائے تھے، مجمع کافی تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا اذان ہو گئی، آپ نماز کے لئے چلے تو مسجد ایسے وقت میں پہنچے جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، تکبیر تحریمہ ہو چکی تھی حضرت گنگوہیؒ کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہو گئی کہ جس کی وجہ سے اسقدر غمگین ہیں تو فرمایا کیا رشید احمد کے لئے اس سے بھی زیادہ کوئی غم کی بات ہو سکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے اتباع سنت، حضرت گنگوہیؒ کا جو مقام ہے آپ سب جانتے ہیں، جب اتنا اہتمام اتباع شریعت کا فرمایا ہے تب یہ مرتبہ پایا ہے، اور جس کو کوئی مرتبہ ملتا ہے اتباع شریعت اور اہتمام سنت ہی سے ملتا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ جو بہت بڑے اللہ کے ولی تھے، ایک دن ان کی جماعت فوت ہو گئی، نماز نہیں قضا ہوئی صرف جماعت نہیں ملی تو نہایت غمگین و رنجیدہ ہو کر بیٹھے رہے، جب لوگ

ان سے ملنے کے لئے آئے تو آپ کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا افسوس آج اسلام اس قدر کمزور ہو گیا، اگر آج میرا کوئی بیٹا فوت ہو گیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں آدمی تعزیت کے لئے آچکے ہوتے مگر آج میری جماعت فوت ہو گئی اور مجھ پر اتنی بڑی مصیبت آپڑی تو ایک آدمی بھی تعزیت کے لئے نہیں آیا۔

اصل بات یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں دین کی عظمت تھی، شریعت کی اہمیت تھی، اپنے سارے معاملات میں اللہ و رسولؐ کی مرضی کے مطابق رہنا چاہتے تھے، کسی امر میں ادنیٰ کوتاہی کو بہت بڑا جرم تصور کرتے تھے۔

آپ کہتے ہوں گے کہ اب بیان ختم کیوں نہیں کرتے، میں کیوں ختم کروں، آپ نے مجھ کو بٹھایا کیوں؟ اور جب بٹھا دیا ہے تو سنئے، اور گوش دل سے متوجہ رہئے، ہماری مجلسوں کو کھیل مت بنایئے۔

ایک معاملہ زمین کا کسی یہودی منافق کے درمیان تھا، اس کو فیصلہ کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اس منافق نے جو جھوٹا مسلمان تھا اس نے اپنے دل میں سوچا کہ میں مسلمان ہوں حضور ﷺ میری رعایت فرمائیں گے، لیکن حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا، جب اس نے دیکھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہو گیا تو کہا اب حضرت عمرؓ کے پاس چلیں گے، سمجھتا تھا کہ فاروق اعظم کفار کے بارے میں سخت ہیں اور ان کے خلاف بڑا جوش اور جذبہ رکھتے ہیں وہ میری رعایت کریں گے، چنانچہ حضرت

فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں آپ کے پاس اس معاملہ کا فیصلہ کرانے آیا ہوں اس یہودی نے عرض کیا کہ حضور یہ شخص آپ کے نبیؐ کے پاس جاکر فیصلہ کراچکا ہے حضور اقدس ﷺ نے میرے موافق فیصلہ فرمادیا، اب اس کے بعد یہ آپ کے پاس دوبارہ فیصلے کے لئے لایا ہے، حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا اچھا ذرا ٹھہرو میں ابھی تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار لے کر باہر آئے اور اس منافق کی گردن اڑادی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے بعد جو شخص اس کو رد کر کے مجھ سے فیصلہ کرانے آئے گا اس کی یہی سزا ہے کیونکہ وہ منافق ہے۔

دوستو! خدا کی قسم رسالت کا مقام بہت اعلیٰ مقام ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اس مقام کو پہچانیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ رسول کا کیا منصب ہے دنیا جہان کے سارے لوگ کچھ کہہ دیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو بات فرمادیں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل اور رد ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔

لَا یُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر ہم سمجھتے ہیں کہ واقعی حضور ﷺ کا درجہ اتنا بلند ہے تو اس کو ثابت کرکے دکھاویں، بھائی! کان کھول کر سن لو، میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں کے سردار ہیں، تمام ولیوں کے سردار

ہیں، جن وانس کے سردار ہیں، ساری مخلوق کے سردار ہیں، نبی تو سب انبیاء ہیں مگر حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں، شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء جمع تھے لیکن امامت کا شرف حضور ﷺ کو بخشا گیا اور سب انبیاء نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، کیونکہ آپ امام الانبیاء تھے، میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا مرتبہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ خود فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اگر میرے زمانہ میں موجود ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ ہوتا، مگر آج حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے، عشقِ رسول ﷺ کا ڈنکا بجانے والے مسلمان اللہ کے محبوب ﷺ کی حدیثوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات کو ترک کر کے دوسروں کے قول کو سند بناتے ہیں کیا یہی محبت ہے، اور ایک عاشقِ رسول ﷺ کی یہی شان ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ محبت نہیں ہے بلکہ محبت کے معنی یہ ہیں کہ محبوب کے حکم کے سامنے کسی چیز کی پروانہ کرے، اللہ کے محبوب ﷺ کا وہ مرتبہ اور وہ شان ہے جو کسی کو حاصل نہیں، قرآن میں آپ کی یہ شان ظاہر کی جاتی ہے کہ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی عین اللہ کی نافرمانی ہے، اس مقام کو پہچانو اور پھر دیکھو آپ کی کیا شان تھی، جب مکہ میں آپ کو لوگوں نے ستایا اور بہت ظلم کیا تو

طائف تشریف لے گئے، وہاں تین بڑے بڑے سردار تھے، آپ ﷺ نے ان کو اللہ کے دین کی تبلیغ کی، کلمہ کی دعوت دی تو ان میں سے ایک نے بطور طنز کہا کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں کہ جوتی پھٹی ہوئی ہے اور کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، دوسرے نے کہا اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا، تیسرے نے یہ کہا کہ اگر اللہ کو رسول بنانا تھا تو آپ ہی ملے تھے، مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی کو رسول بناتے، غرضیکہ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایسی بدتمیزی کی اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ جب آپ وہاں سے لوٹے تو ان لوگوں نے اوباش لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا انہوں نے آپ کے جسم مبارک پر پتھر برسانا شروع کر دیا، حضرت زیدؓ آپ کے ساتھ تھے کبھی وہ آپ کے آگے آجاتے کبھی پیچھے ہو جاتے، کبھی دائیں ہو جاتے اور کبھی بائیں ہو جاتے تھے، اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے تھے کہ زید تمہارا کیا حال ہے تم کبھی آگے ہوتے ہو، کبھی پیچھے ہوتے ہو، کبھی دائیں ہوتے ہو کبھی بائیں ہوتے ہو، ارے مسلمانو! اس کو سمجھو اور محبت کی حقیقت کو پہچانو! حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے محبوب! میری جان آپ پر قربان ہو، جب دیکھتا ہوں کہ آگے سے پتھر آرہے ہیں تو میں آگے آجاتا ہوں کہ میرے سینے پر پتھر لگے اور آپ محفوظ رہیں اور جب دیکھتا ہوں کہ کہ پیچھے سے پتھر آرہے ہیں تو پیچھے ہو جاتا ہوں کہ وہ پتھر مجھے لگ جائے اور آپ بچ جائیں اور اسی لئے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔

دیکھتے ہیں آپ! یہ ہے محبت رسول کہ اپنے کو سپر بنائے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ کے محبوب ﷺ پر پتھر پڑے اور خون کے قطرات جاری ہوگئے، آسمان سے فرشتہ آتا ہے کہ اے اللہ کے محبوب اگر آپ فرمائیں تو طائف کی پہاڑیوں کو آپ کے ان دشمنوں پر الٹ دوں کہ وہ سب تباہ ہو جائیں، اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں گے تو ان کے بیٹے پوتے ایمان لائیں گے، اور اگر یہ ہلاک ہو جائیں گے تو میرا کیا نفع ہوگا؟ یہ فرما کر آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور یہ دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ" اے اللہ! میری اس قوم کو ہدایت دے اس لئے کہ یہ مجھ کو نہیں جانتے۔

آپ غور فرمایئے کہ پتھر کھا کر اور زخمی ہو کر بھی یہ نہیں کہتے کہ ان پر عذاب بھیج دیجئے یا ان کو پتھر سے دبا دیجئے، اس محبت کا، اس رأفت کا کچھ ٹھکانا ہے؟ اب میں کیا کہوں اور آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ اللہ والوں کا حال کیا ہوتا ہے اور ان کا کیا مقام ہوتا ہے، ہم تو ان چیزوں سے اتنا دور ہو چکے ہیں کہ اب سمجھانا بھی مشکل ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ سلطنت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کے لئے مکہ معظّمہ کے ارادے سے چلے، چلتے چلتے ایک مقام پر دریا عبور کرنا ہوا ایک کشتی پر بیٹھ گئے، اس کشتی پر بہت سے لوگ سوار تھے بادشاہ بھی تھا اور بہت سے بھانڈ اور نقال بھی تھے، وہ بھانڈ نقل اتارتے اور بادشاہ اور

مصاحبین کو خوش کر رہے تھے، اتنے میں بھانڈوں نے آپس میں کہا کہ اگر کوئی بے وقوف اس وقت ہوتا تو اس سے کچھ لطف زیادہ بڑھ جاتا ایک گوشہ کی طرف دیکھا تو ابراہیم ابن ادہمؒ آنکھ بند کئے اللہ کی یاد میں مشغول تھے، بس لوگوں نے کہا کہ ایک شخص تو موجود ہے اور انہیں کو اپنی تفریح کا مشغلہ بنالیا، دوڑ کر ان کے پاس آتے تھے اور ان کے سر پر باری باری دھول لگا دیتے تھے، پھر آپس میں ہنسی کرتے تھے، پھر ان کے سر پر مارتے اور آپس میں ہنستے، جب دیر تک یہ مشغلہ جاری رہا تو حضرت ابراہیم ابن ادہم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ اے ابراہیم! اگر آپ فرمائیں تو میں ان سب کو دریا میں غرق کردوں کیونکہ یہ آپ کی بہت زیادہ بے حرمتی کر رہے ہیں، آپ نے عرض کیا اے اللہ! اگر آپ ان کو غرق کردیں گے تو مجھ کو کیا ملے گا آپ ان کو آنکھ دے دیجئے تاکہ یہ مجھ کو پہچان لیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معرفت عطا فرمائی اور ان سب نے آکر معذرت کی اور سب ان کے ہاتھ پر تائب ہوگئے۔

یہ وہی سنت ہے حضور اقدس ﷺ کی جو طائف میں آپ نے پیش فرمائی، اور یہی طریقہ اللہ کے ولیوں نے اور اللہ کے خاص بندوں نے علماء ربانی اور مشائخ حقانی نے اختیار کیا اور دین کی تبلیغ کے لئے ہر زمانہ میں مصائب برداشت کئے، اس کام کے لئے بہت بڑا دل چاہئے، بہت کشادہ سینہ چاہئے، اس کے لئے بڑے حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے، بڑے صبر و تحمل کی ضرورت ہے، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، اس وقت مجھے اقبال سہیل

کا ایک شعر یاد آگیا جو مجھے بہت پسند ہے۔

سم کے عوض دار وئے شفا دی طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی سنت ہے کہ پتھر کھا کے، گالیاں سن کے اور تکلیفیں اٹھا کے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو ہدایت دے، یاد رکھو! اللہ والوں سے دوستوں کو تو فائدہ پہنچتا ہی ہے دشمن بھی محروم نہیں رہتے۔

میں اس وقت جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے، ورنہ کیا بتاؤں ظہر کے بعد سے مجھے انتہائی تکلیف تھی میرے آنسو نکل رہے تھے بولنے کے قابل نہیں تھا، اس وقت وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تیرے بندے جمع ہو رہے ہیں مجھے کچھ آتا جاتا بھی نہیں اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں، میری مدد فرمادے، اس کے بعد آکر بیٹھ گیا اور بلا مبالغہ کہہ رہا ہوں اور بلا فخر کہہ رہا ہوں اور اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ اب اپنے اندر اتنی قوت محسوس کر رہا ہوں کہ اگر آپ چاہیں تو اب سے انشاء اللہ دو تین گھنٹہ تک بیان کر سکتا ہوں مگر آپ گھبرائیں نہیں، میں رعایت کروں گا اور عشاء سے قبل ہی بیان ختم کر دوں گا۔

سب مسلمانوں کو چاہئے کہ توحید پر آجائیں، نماز پڑھنے لگیں، روزہ رکھیں، مال کی زکوٰۃ ادا کریں اور آپس میں محبت کے ساتھ رہیں، اور چاہئے

کہ مسلمانوں میں اخوت ہو، بھائی چارہ ہو، ایک دوسرے کا غم ہو، اپنے بھائی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مشرق کے مسلمان کی انگلی میں اگر درد ہو تو مغرب کے مسلمان کو اس کا احساس ہونا چاہئے، مگر اب مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ایک بھائی کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو ہم کو خوشی ہوتی ہے، تو سمجھ لیجئے کہ یہ سب اسلام کے خلاف باتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے صرف اسلام کا نام سن لیا ہے، مگر بھائی در حقیقت اسلام اختیار کرنا اور مسلمان بننا بہت مشکل ہے، مسلمان تو فرماں برداری کرنے والا، گردن جھکا دینے والا، اللہ کے دین پر مر مٹنے والا ہوتا ہے، اور زندگی کو شریعت کے مطابق گذارنے والا ہوتا ہے، اس کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ ﴿ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا۔

مؤمن کی عبادت اس کی قربانی، اس کا جینا مرنا اور اس کا سارا کام صرف اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، حقیقی اسلام یہی ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہماری زندگی بن جائے، اللہ ہی کے دین پر عمل کریں اور اللہ ہی کے دین کی دعوت دیں، اللہ ہی کے لئے جئیں اور اللہ ہی کے لئے مریں، دین کا خلاصہ یہی ہے کہ اوامر کی دعوت ہو اور منکرات سے پرہیز ہو، نبیوں نے اسی کی دعوت دی اور علماء ربانی کا بھی یہی کام ہے کہ وہ خود بھی معروف پر عمل کرتے ہیں اور منکرات

سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی معروف پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں اور جو عالم خود معروف میں فنا نہیں ہوگا اس کی بات میں کیا خاک اثر ہوگا، جو خود راستہ پر نہیں وہ دوسرے کو دین کی دعوت کیا دے گا، لہٰذا چاہئے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں، خود بھی نیک بنیں دوسروں کو بھی نیک بنانے کی کوشش کریں، خود بھی بری باتوں سے گناہوں سے پرہیز کریں اور مسلمانوں کو بھی گناہوں سے پرہیز کرنے کی دعوت دیں، جب آدمی خود عامل ہوتا ہے تب ہی اس کی تبلیغ میں اثر ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسن نوریؒ اکابر اولیاء میں سے ہیں کتابوں میں ان کا حال لکھا ہے کہ جب اللہ اللہ کرتے تھے تو اندھیری رات میں انوار ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ ان کو ابوالحسن نوری اسی وجہ سے کہتے ہیں، ان ہی بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان پر کوئی خاص کیفیت طاری تھی جس کی وجہ سے ہوش میں نہیں رہتے تھے نماز کے اوقات میں ہوش ہو جاتا اور نماز ادا کرتے تھے یہ کیفیت ان پر تین روز تک مسلسل رہی اور اسی کیفیت میں ایک روز جب ذکر کیا تو درخت پر جو چڑیاں بیٹھی تھیں ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ تڑپ تڑپ کر درخت سے نیچے گر پڑیں۔

ان ہی بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے گئے دیکھا کہ جہاز آیا اور اس سے بہت سے سامان اتارے گئے ان سامانوں میں شراب کے دس مٹکے بھی تھے، انہوں نے پوچھا ان مٹکوں میں کیا ہے؟ لوگوں

نے کہا شراب ہے، پوچھا کس کے لئے ہے؟ معلوم ہوا کہ خلیفۂ وقت کے لئے ہے، بس ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اسی سے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا، نو مٹکے توڑ ڈالے جب ایک رہ گیا تو اسے چھوڑ دیا، ان کو پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں پیش کیا گیا، سبحان اللہ! تبلیغ اس کا نام ہے، منکرات سے ایسی نفرت کہ خلیفہ وقت کی بھی پروا نہیں کی، مگر ہائے افسوس کہ آج مسلمانوں کا کیا حال ہے، کیا مسلمانوں نے آج شراب خانوں کو آباد نہیں کرر کھا ہے؟ کیا سینما گھروں کو آباد نہیں کرر کھا ہے؟ کیا ناچ گانے میں مسلمانوں کا مال نہیں صرف ہو رہا ہے، کیا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا مسلمانوں کو آسان ہے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمان جتنا مال فضولیات میں خرچ کرتے ہیں اگر اللہ کی راہ میں لگادیں تو معلوم نہیں کیا سے کیا ہو جائے، یاد رکھو! قیامت میں تم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو مال تم کو دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا؟ جس کو ہم اپنا مال سمجھتے ہیں یہ ہمارا مال ہے ہم جو چاہیں کریں، تو در حقیقت ہم اس میں خود مختار نہیں ہیں، اللہ نے دیا ہے اور اسی کا مال ہے بغیر اس کے اذن کے کہیں صرف کرنا جائز نہیں ہے، جب آدمی اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کا خوف آجاتا ہے، پھر حکم خداوندی کے آگے وہ کسی کی پروا نہیں کرتا، کان کھول کر سنو! اور مؤمن کا مقام دیکھو کہ شیخ ابوالحسن نوری خلیفۂ وقت کے دربار میں صبح کے وقت جب پیش ہوتے ہیں اور خلیفۂ وقت ان سے سوال کرتا ہے کہ ابوالحسن تم نے شراب کے مٹکے کیوں توڑ ڈالے، کیا تمہارے دل میں میرا

خوف نہیں پیدا ہوا کہ خلیفہ وقت کے لئے شراب منگائی گئی تھیں، وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین! اللہ کے خوف نے میرے دل میں کسی کا خوف باقی نہیں رکھا، میرے دل میں صرف اللہ ہی کا خوف ہے اور کسی کا خوف نہیں ہے اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو محتسب کس نے بنایا؟ بے دھڑک فرماتے ہیں کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا اسی نے مجھ کو محتسب بنایا، پوچھا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ جواب دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

وہ آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہوتے ہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں، بری بات سے منع کرتے ہیں، مؤمن کا یہ فرض ہے کہ جب وہ کسی امر کو شریعت کے خلاف دیکھے تو اس کو مٹانے کی کوشش کرے، پھر خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے دس مٹکوں میں سے نو کو تو توڑ دیا ایک مٹکے کو آخر کیوں چھوڑ دیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ ابو الحسن فرماتے ہیں کہ نو مٹکوں کے توڑنے میں مجھ کو اللہ کا خوف غالب تھا اور میں نے اللہ کے خوف سے ان کو توڑا اور جب دسویں کا نمبر آیا تو میرے نفس نے کہا کہ تم ایسے ہوگئے ہو کہ خلیفہ کی بھی پروا نہیں کرتے، تو میں نے سوچا کہ اب یہ کام صرف اللہ کے لئے نہیں رہ گیا اس میں نفس کی آمیزش ہوگئی اس لئے دسویں

مٹکے کو میں نے چھوڑ دیا کیونکہ میرا کام اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اگر اس کو بھی توڑ دیتا تو نفس کی آمیزش ہو جاتی، سبحان اللہ! یہ ہے مقام مؤمن کا۔

خلیفہ نے ان سے درخواست کی کہ آپ جو کچھ فرمائیں آپ کی خدمت کی جائے شیخ نے فرمایا میرے لئے سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ مجھے دربار میں کبھی طلب نہ کیا جائے، خلیفہ نے عرض کیا کہ کچھ قبول فرمالیجئے تو فرمایا کہ میرے اللہ نے مجھ کو بہت دے رکھا ہے اللہ والوں کا یہی مقام ہوتا ہے کہ نہ ان کو جاہ و منصب کی خواہش ہوتی ہے نہ مال و دولت کی طمع۔

یہی شیخ ابوالحسن نوریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور ابو بکر شبلیؒ کئی بزرگ ایک وقت میں تھے، خلیفۂ وقت کے یہاں ان کی شکایت کی گئی، ایک وزیر جو اسلام کا مخالف تھا، عقیدے کا خراب تھا اسی نے خلیفہ سے ان حضرات کی شکایت کی کہ یہ لوگ بددین ہیں بے دینی کی باتیں کرتے ہیں یہ حضرات دربار میں طلب کئے گئے اور خلیفہ نے ان سب کے بارے میں حکم دے دیا کہ جلاد بلائے جائیں اور ان سب کی گردن اڑا دی جائے، جب جلاد آیا تو شبلیؒ کہتے ہیں پہلے میرا سر قلم کرو، جنید فرماتے ہیں کہ پہلے میرا سر قلم کرو، ہر ایک کہتا ہے کہ پہلے میرا سر قلم کرو، خلیفہ نے کہا بھائی گردن تو سبھی کی اڑائی جائے گی مگر اس میں کیا راز ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ میرا سر پہلے قلم کیا جائے؟ تو حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے حق میں ایثار سے کام لوں کہ میں پہلے مارا جاؤں تاکہ چند ساعت میرا بھائی اور زندہ رہ لے اور مجھ سے اتنا فائدہ اس کو پہنچ جائے۔

دیکھتے ہیں آپ! یہ تھی مسلمانوں کی اخوت اور یہ تھا مسلمانوں کے ایثار کا حال، اس بات کا خلیفہ پر اتنا اثر ہوا کہ وزیر سے کہتا ہے کہ اگر یہی لوگ ملحد و بے دین ہیں تو پھر دنیا میں مسلمان کہاں رہے؟ اور اپنا حکم سابق منسوخ کر کے وزیر سے کہا کہ ان لوگوں کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے رخصت کرو، الغرض وہ حضرات نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ وہاں سے واپس ہو گئے، پہلے مسلمانوں میں اخوت بھی تھی، ہمدردی بھی تھی، بھائی چارہ بھی تھا، آج ہماری ساری چیزیں گم ہیں اور ان سب کو ہم چھوڑے ہوئے ہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو! میرے محترم عزیزو! اچھی طرح سن لو کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ فلاح پائیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہو، جہنم سے بچ جائیں، جنت میں ٹھکانا پائیں تو ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی کو درست کریں اور اپنے حالات کو بدلیں، اللہ کی کتاب پر ہمارا ایمان ہے، اللہ کے محبوب ﷺ پر ہمارا ایمان ہے، حضور ﷺ کی حدیثوں پر ہمارا ایمان ہے، اولیاء کاملین پر ہمارا ایمان ہے، اس لئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی میں اپنے آپ کو فنا کر ڈالنے کے لئے تیار ہو جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ علامہ حالی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لہٰذا ہمیں اپنے کو درست کر ڈالنا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی

میں اپنے آپ کو فنا کرڈالنا ہے، اپنے سینے کو تمام برائیوں سے پاک وصاف کرنا ہے ہمارے اندر کینہ بھی ہے، ہمارے اندر بغض بھی ہے، ہمارے اندر حسد بھی ہے، ہمارے اندر تکبر بھی ہے، ہمارے اندر بددیانتی بھی ہے، یہ ساری چیزیں بھری ہوئی ہیں، انہیں چھوڑ دیجئے، قرآن وحدیث کی تعلیم یہی ہے۔

بس اب بیان ختم کرتا ہوں، جس آیت کو میں نے شروع کیا تھا اس کو بیان بھی نہیں کرپایا، انشاء اللہ پھر زندگی رہی تو دیکھا جائے گا، اب وقت ختم ہورہا ہے اس لئے ختم کئے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اے اللہ! ہم پر رحم فرما، ہماری ہدایت فرمادے، اے اللہ! ہمارے سینوں کو بغض سے، نفاق سے، شقاق سے پاک کردے، اے اللہ! مسلمانوں میں اتحاد واتفاق ڈال دے، مسلمان مل جل کر رہیں، اے اللہ! نفس وشیطان کی غلامی سے ہم چھوٹ جائیں، آپ کی اور آپ کے محبوب ﷺ کی فرماں برداری کریں، اور سچے پکے مسلمان بن جائیں، اے اللہ! ہم سب کو مسلمان بنادے، ہم کو مسلمان ہی زندہ رکھ، اے اللہ! ہمارا خاتمہ اسلام وایمان پر ہو۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ، بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

شرک کی مذمت

اقتباس

ہم لوگ کان کھول کر سن لیں! کسی کے قول کو حجت بنانا خواہ وہ عالم ہو یا شیخ ہو کوئی بھی ہو اگر اس کا قول کتاب وسنت کے خلاف ہے تو حجت نہیں بنا سکتے، ہم بزرگان دین کو اسی لئے تھامتے ہیں کہ ہم کو اللہ و رسول کی فرماں برداری آجائے، بزرگوں کو اس طرح ماننا تو معتبر ہے باقی ان کو رب بنا لینا حتیٰ کہ واقعی ان کی پرستش کرنے لگنا یہ کب جائز ہوگا؟ یہ کھلا ہوا شرک اور صریح گمراہی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان مسجد مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار الٰہ آباد میں ہوا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (پ۱۷)

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے، اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو،

اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا، پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول ﷺ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

کبھی تو دل یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی کتاب لے کر گھر گھر جایا جائے اور اس کو لوگوں کو سنایا جائے، دین کی دعوت دی جائے، سوتوں کو جگایا جائے، غافلوں کو بیدار کیا جائے، اور کبھی یہ دل چاہتا ہے کہ زبان بند کرلو، خاموش ہو جاؤ، اپنے حال میں لگے رہو، اس لئے کہ حالات کو دیکھ کر مایوسی چھا جاتی ہے کچھ بولنے کو جی نہں چاہتا، دنیا میں غفلت چھائی ہوئی ہے، لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا، قیامت کو بھلا دیا، عذاب قبر کو بھلا دیا، موت کو بھلا دیا، موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو بھلا دیا، ہر طرف غفلت ہی غفلت ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غفلت ام الامراض ہے، جتنے امراض باطنی پیدا ہوتے ہیں وہ سب غفلت ہی سے ہوتے ہیں مگر بندہ بالکل غافل ہو گیا ہے اس نے اپنے انجام کو بھلا دیا، آغاز کو بھلا دیا کہ وہ کیا تھا پھر کیسے پیدا ہوا اور دنیا میں آنے کا کیا مقصد تھا؟ یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا۔

ہم نے قرآن کو اللہ کی کتاب مانا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ ہی کی عظمت نہیں تو پھر کتاب اللہ کی عظمت کیسے ہوگی، سرور کائنات ﷺ جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ان کا حال تو یہ تھا کہ

ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی، حضور اقدس ﷺ کے حالات میں آتا ہے کہ ایک شب آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست قدرت والے ہیں اور حکمت والے بھی ہیں، پھر آپ اس آیت کو باربار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

میرے بزرگو! ہم کو چاہئے کہ ہم قیامت کا میدان یاد کریں، جہنم کے شعلوں اور انگاروں کو سوچیں، آخرت کے عذاب کو سوچیں، وہاں کے حساب وکتاب کو سوچیں، وہاں کے سب پیش آنے والے واقعات اور ہولناک مناظر کو سوچیں، دنیا کی زندگی چند روزہ زندگی ہے، مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی زندگی ہے، میرے دوستو! یہ سب کچھ یہیں چھوٹ جانے والا ہے، اگر یہاں ہم نے کچھ نہ کیا تو پھر وہاں جاکر بڑی شرمندگی اور ندامت ہوگی، بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ سب جانتے ہوئے بھی ہم غافل اور بے فکر ہیں، آزادی اور بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، یاد رکھئے! مؤمن کی زندگی تو فکر کی زندگی ہوتی ہے، مؤمن بے فکر نہیں ہوتا، اس پر ہر وقت فکر آخرت چھائی ہوئی رہتی ہے، وہ کسی حال میں ہو چل رہا ہو، بول رہا ہو، کھاپی رہا ہو، تجارت کر رہا ہو، ملازمت کر رہا ہو، کاروبار کر رہا ہو، سفر میں ہو حضر میں ہو، ہر حال میں آخرت کو یاد رکھتا ہے، کوئی وقت بھی اس پر ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ

اللہ تعالیٰ سے غافل ہو اور آخرت کو بھولا ہو، وہاں کے عذاب کو بھولا ہو، اصل زندگی یہی ہے کہ آدمی کو آخرت کی فکر ہو جائے، اللہ کے جن خاص بندوں کو یہ چیز حاصل ہے ان کی زندگی نہایت مبارک اور کامیاب زندگی ہے، ہماری آپ کی زندگی کس کام کی زندگی ہے؟ ہم کو تو اس کی بھی خبر نہیں کہ زندگی کیا ہے اور جینے کا مزہ کس چیز میں ہے؟ ہم کیا جانیں کہ صبح میں کیا مزہ ہے اور شام میں کیا کیفیت ہے؟ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگے رہتے ہیں، اللہ کی یاد اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں ان کے لئے صبح کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور شام کا مزہ کچھ اور، ان کے دن کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور رات کا مزہ کچھ اور، ان کے جاگنے کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے اور سونے کا مزہ کچھ اور، ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملتا ہے، ان کی زندگی پاکیزہ زندگی ہے، ان کے اوقات اللہ کی یاد میں صرف ہوتے ہیں، انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں ہیں، ان کا ہر کام اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اللہ کی یاد کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ آدمی کا سارا کام شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس کا قدم اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، اسی کو اخلاص کہتے ہیں، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو، یعنی اس سے

محض اللہ کی رضا مقصود ہو، یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل و بہتر ہے اس لئے کہ عارف کی نیت خالص ہوتی ہے، نیت کے درست کرنے ہی کا نام تو خلوص ہے، اور خود سے نیت کا درست کرلینا اور مقام اخلاص کو حاصل کرلینا نہایت دشوار امر ہے، اسی کے درست کرنے کے لئے تو اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں نہ مخلوق ہوتی ہے نہ دنیا ہوتی ہے نہ وہ نفع و نقصان کا مالک کسی کو جانتے ہیں، وہ تو کسی کو نہیں جانتے وہ کسی کو نہیں پہچانتے بس صرف ایک اللہ کو جانتے ہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کو مانتے ہیں، اپنی نظر کو اسی پر جمائے رکھتے ہیں، وہ صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں، اللہ ہی کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

بھائی سنو! جس نے اللہ کو راضی کرلیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جس نے اللہ کو ناراض کردیا اس نے سب کچھ کھو دیا، اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی برباد ہوئی، اب ہم اپنے حالات کو دیکھ لیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کی فکر کہاں تک ہے؟ جو کچھ اعمال ہم کرتے ہیں اس میں بھی روح نہیں، اعمال کی صورت تو ہے مگر حقیقت نہیں، ہم میں وہ روح کہاں وہ خلوص کہاں؟ اس کی فکر کریں۔

اور آپ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں کس مقصد کے لئے بھیجا اور ان کو وہ درجہ اور وہ مقام عنایت فرمایا جو مخلوق میں کسی

کو نہیں عطا فرمایا، وہ اللہ کا پیغام لانے والے، اللہ کے احکام کو پہنچانے والے اور اللہ کی باتیں بتانے والے ہیں، وہ اپنے جی اور اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلاَّ وَحْيٌ یُوْحیٰ ﴾ اور آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے بلکہ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

جس نے نبی کا دامن تھام لیا فلاح پائی اور جس نے نبی کا دامن چھوڑ دیا ہلاک ہو گیا، اللہ کے آخری نبی ہمارے رسول مقبول ﷺ ہیں آپ نبیوں کے سردار ہیں، حضور ﷺ کا وہ مرتبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور فرماتے ہیں ﴿مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ جس چیز کا رسول تم کو امر کریں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع فرمادیں اس سے باز رہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمی دعوت میں سب سے پہلی چیز اللہ کی توحید ہے، دنیا سے شرک کو مٹانے اور دنیا میں توحید کو پھیلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، بنیادی چیز یہی ہے، اگر کوئی شخص آسمان وزمین کے برابر اللہ کی عبادت کرے، چپے چپے اور گوشے گوشے میں اللہ کی بندگی کرے مگر اس کے ساتھ شرک مین بھی مبتلا ہو تو کبھی اس کی نجات نہیں ہو سکتی اور اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہو گی، شرک ایسی بری بلا

ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں یہ اکبر الکبائر اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ مشرک کی مغفرت نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید ہے اور دل سے اس کی تصدیق ہے کہ لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ ایک ہے، اللہ کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے، اللہ ہی مارنے والا ہے، اللہ ہی جلانے والا ہے، اللہ ہی روزی دینے والا ہے، اللہ ہی بیمار ڈالنے والا ہے، اللہ ہی شفا دینے والا ہے، وہی سب کچھ کرنے والا ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں سب کا نفع و ضرر ہے، وہ غفار و تواب بھی ہے، جواد و کریم بھی ہے، رحمٰن و رحیم بھی ہے، شدید العقاب بھی ہے، قہار و جبار بھی ہے۔

عقل و فہم سے کوئی شخص اللہ کو نہیں پہچان سکتا ہے اس لئے کہ عقل کی رسائی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات تک ہو ہی نہیں سکتی، اس کو تو نبی ہی بتا سکتا ہے اور یہ چیزیں وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتی ہیں، توحید کی حقیقت کو دوسرا کوئی کیا جانے، نبی کی زبان سے اس راز کو ظاہر فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں "لَاۤاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّایَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

قَدِیْرٌ ’’ یہ کلمہ ہم کو کس نے سکھایا؟ یہ حقیقت ہم کو کس نے بتلایا؟ اس کے سکھانے والے اللہ کے محبوب ﷺ ہیں، اس کلمہ پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ کی ذات میں نہ تو کسی نبی کی شرکت ہے، نہ کسی ولی کی شرکت ہے، نہ فرشتوں کی شرکت ہے، وہ پورا با اختیار ہے، زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے، اسی کے لئے سب تعریف ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ زندہ رہنے والا ہے اس کو موت نہیں آسکتی، اسی کے ہاتھ میں ہر خیر ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کلمہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی ہم در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں، دوسروں کے قول کو حجت بناتے ہیں، ارے اللہ کے بندو! اس کلمہ کو سمجھو، توحید اختیار کرو، حضور ﷺ بھی یہی پڑھتے تھے کہ ’’لَاۤاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ‘‘اور اس کی حقیقت آپ پر منکشف تھی، آپ ہی نے ہم کو بتایا اور شرک سے ہم کو بچایا۔

ایک شخص نے آکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے یہ کہہ دیا کہ اگر اللہ چاہے گا اور حضور ﷺ چاہیں گے تو فلاں کام ہو جائے گا، حضور اقدس ﷺ اس بات سے خفا ہوئے اور غصہ کے آثار چہرہ انور پر عیاں ہوگئے کیونکہ اس نے توحید کے خلاف بات کہی تھی اور اللہ کی مشیت میں آپ کی مشیت کو شریک کر دیا تھا، چنانچہ آپ نے اس پر نکیر فرمائی کہ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اللہ ہی چاہے گا تو ہو جائے گا مجھ کو اس میں کیوں شریک کرتے ہو۔

دیکھا آپ نے؟ حضور ﷺ نے توحید کی کیسی حفاظت فرمائی اور نبی سے بڑھ کر توحید کی حفاظت دوسرا کون کر ہی سکتا ہے؟ وہ تو اسی کام پر مامور ہو کر آتے ہیں اور اللہ کی توحید ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے مخالفت کی جاتی ہے، اور ان پر طرح طرح کے مصائب آتے ہیں جس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو آگ میں جھونکا گیا وہ توحید ہی کی وجہ سے، نمرود سے آپ کا مقابلہ ہوا جب وہ ہر طرح شکست کھا گیا تو آپ کو آگ میں جلانے کی سوجھی، میلوں لکڑیاں جمع کی گئیں اس میں آگ روشن کی گئی، جب شعلے بلند ہونے لگے اور اس کا یہ عالم ہوا کہ بہت دور تک اوپر سے چڑیا گذر نہیں سکتی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی اونچائی سے لے جاکر اس آگ میں گرایا گیا، آخر ان کی کیا خطا تھی، ان کا کیا قصور تھا؟ ان کا بس یہی جرم تھا کہ انہوں نے شرک سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اللہ کی توحید اختیار کی اور ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

جب آپ کو ان فلک بوس شعلوں میں ڈالنے لگے تو آپ کے پاس تمام آسمانوں کے فرشتے آئے اور آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل! اگر آپ فرمائیں تو ہم آپ کی مدد کریں اور اس آگ کو اپنے پروں سے بجھا دیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں میرا اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ مدد کے لئے کافی ہے، یہاں تک کہ سب سے آخر میں جبرئیل امین آئے اور

کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنا پر مار دوں اور یہ سب آگ سرد پڑ جائے آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ نہیں اے جبرئیل! میرے مولیٰ کی مرضی اگر یہی ہے تو میں اس پر راضی ہوں، میرے مالک کا حکم یہی ہے تو میں اس کو بخوشی منظور کرتا ہوں۔

یہ ہے توحید کا اصل مقام کہ سب سے کٹ گئے اور صرف ایک ہی کے ہو رہے، اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ بیشک میرا خلیل میرا ہی ہے مقام خلت میں صادق اور توحید میں مخلص و کامل ہے تو آگ کی طرف حکم بھیجا کہ ابراہیم پر سرد ہو جائے ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلاَماً عَلىٰ اِبْرَاهِيْمَ﴾ یعنی ہم نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا، پھر وہی بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیمؑ کے لئے گلزار بن گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ آپ اس میں نماز پڑھنے لگے، نمرود کی لونڈی اپنے بالاخانہ سے یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ آگ تو گلزار ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کے قلب میں بھی جوش اٹھا اور کلمہ پڑھتی ہوئی آگ میں کود پڑی، چنانچہ اس کو بھی آگ نے نہیں جلایا، یقیناً یہ کلمہ ایسا ہی ہے کہ جو شخص بھی صدق دل سے سچائی کے ساتھ لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہے گا اس کو آگ ہرگز نہیں جلاسکتی، بس صدق شرط ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی زبان، اس کا خیال، اس کا دل، یہ سب کے سب شرک سے بچ جائیں اور توحید کامل اس کو حاصل ہو جائے۔

جانتے ہو ایک مقام عقل ہے اور ایک مقام عشق، دونوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے اور مقام عشق مقام عقل سے بہت آگے ہے اور جب تک آدمی مقام عشق میں نہ آئے اس کو سمجھ نہیں سکتا، اس راز کو علامہ اقبالؔ نے فاش کیا ہے، کہتے ہیں ۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل   عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یاد رکھئے! جب بندہ مقام عشق میں آجاتا ہے تو پھر اپنا تن، من، دھن، جان مال، عزت آبرو، سب کچھ اپنے مولیٰ پر قربان کر دیتا ہے اور میں اتنا اور بھی کہہ سکتا ہوں کہ اسی طرح عقل کامل کا بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہم کو پیدا کرنے والے، ہمارے خالق و مالک ہیں ان کی مرضی پر ہم اپنے کو قربان کر دیں اور ان کے حکم کے آگے اپنے کو بالکل مٹا دیں اپنی رائے اور تجویز کو بالکل ختم کر دیں۔

زبان سے وعظ کر دینا بہت آسان ہے مگر لوگوں کو حقیقت سمجھا دینا بہت مشکل ہے، اب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ گیا ہے، وعظ و تقریر بھی حظ نفس کے لئے ہونے لگے، چاہتے ہیں کہ ایسی تقریر ہو کہ ہم لوگ سن کر بس واہ واہ کر کے اٹھ جائیں، ارے اللہ کے بندو! وعظ اور کس چیز کا نام ہے؟ اور تقریر آخر کسے کہتے ہیں؟ حقیقی وعظ تو وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو، اللہ کی بندگی کے لئے ہو، اللہ کے دین کی دعوت کے لئے ہو، اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو،

مخلوق ناراض ہو تو کیا اور مخلوق راضی ہو تو کیا، کیسا مال، کیسی دولت، کیسی عزت، کیسی راحت؟ سب کچھ اللہ کے نام پر قربان کر دینا ہے اور سب کچھ نثار کر کے اللہ کو راضی کرنا ہے، ہماری زندگی کا مقصد اللہ کے نام کو اونچا کرنا ہے، یاد رکھئے! اللہ کے نام کو اونچا کرنے کے لئے اور دین حق کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو بندہ تیار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

جب تک ہم اللہ کے لئے جیتے تھے دنیا میں ہم کو عزت حاصل ہوئی اور ہر طرح کی ترقیات ہم کو ملیں، سب کچھ عطا ہوا اور جب سے ہم اپنے نفس کے لئے جینے لگے ہم گمراہ ہو گئے، ذلیل و خوار ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت پر فقر و فاقہ سے اندیشہ نہیں کرتا، البتہ مال و دولت سے اندیشہ کرتا ہوں کہ لوگ آخرت کو بھلا دیں گے، چنانچہ جب فقر و فاقہ تھا تو اس وقت کچھ اور عالم تھا اور وہ لوگ جو پیٹ پر پتھر باندھنے والے، کھجوروں کی چٹائی پر لیٹنے والے، چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہنے والے تھے، جن کے رہنے کے لئے محل و مکان نہیں، کھانے کا سامان نہیں مگر ان کے قلب کے اندر اللہ کی توحید تھی اور ان کے قلب کے اندر اللہ کا خوف تھا، آخرت کا یقین تھا، اور ایسا جذبہ تھا کہ انہوں نے دین کو زندہ کیا اور سارے عالم میں اس کو پھیلا دیا اور ان کی ذات سے اللہ کا

کلمہ بلند ہوا، مگر اب ہمارے اندر اللہ کا خوف نہیں، اللہ کی توحید نہیں، وہ جذبہ اور داعیہ نہیں جو ان کے اندر تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو! وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی جمع ہو جائیں، اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا ہی نہیں سکتے، ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر، ان لوگوں نے اللہ کی تعظیم جیسی کرنی چاہئے تھی وہ نہ کی، اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھا رہے ہیں کہ اے لوگو! تم سے ایک مثال بیان کی جارہی ہے اس کو خوب دل سے کان لگا کر سنو، جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے، اگرچہ سب کے سب اس کے لئے جمع ہو جائیں، مطلب یہ کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنالیا، مستعان بنالیا، حاجت روا بنالیا، ان کو اتنی قوت بھی نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کر سکیں اور اگر اس چڑھاوے میں سے جس کو غیر اللہ کے لئے چڑھایا ہے مکھی کچھ چوس لے تو اس کو واپس بھی نہیں لا سکتے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ

وَالْمَطْلُوْبُ﴾ طالب و مطلوب، عابد و معبود دونوں کمزور ہیں ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ بیشک اللہ قوی ہے زبردست ہے، اللہ حکمت والا ہے، اللہ مالک و خالق ہے، اللہ آسمان کو بنانے والا ہے، زمین کو بنانے والا ہے، سورج کو بنانے والا ہے، چاند ستاروں کا بنانے والا ہے، پہاڑوں کا بنانے والا ہے، دریاؤں کو جاری کرنے والا ہے ہواؤں کو چلانے والا ہے، سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے معبود کو چھوڑ کر غیر اللہ کو ہم پکاریں۔

یاد رکھئے! اللہ کے برابر کسی کے لئے علم ثابت کرنا، قدرت ثابت کرنا، اللہ کے سوا کسی کو مستعان سمجھنا، حاجت روا سمجھنا اور مصیبت میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا یہ سب شرک ہے شرک، مشرکین بھی اللہ کی ذات کو ایک مانتے تھے مگر صفات میں غیر اللہ کو لا کر شریک قرار دیتے تھے یہی ان کا شرک تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے، اللہ کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا جب وصال ہوا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا سانحہ اور سب سے بڑی مصیبت اور رنج و الم کی جو چیز پیش آئی وہ

یہی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے درمیان سے اٹھالیا، اس سے بڑھ کر اور کون حادثہ ہو سکتا ہے؟ صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہوئی، لوگ رو رہے ہیں، سکتے کا عالم طاری ہے، سناٹے میں ہیں، حواس بجا نہیں، دنیا اندھیری اور تاریک ہو گئی حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ تو تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان سے یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

ایسی حالت میں ان کو کوئی سنبھالنے والا نہیں تھا، حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ عجیب حال میں ہیں حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ بھی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں تو اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے سب لوگوں کو سنبھالا، چنانچہ آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَإِنَّ مُحَمَّداً قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لاَّ يَمُوْتُ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَإِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ﴾

اے لوگو سن لو! جو کوئی محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ حضور ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو کوئی اللہ کی پرستش اور بندگی کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ حی و قیوم ہے اس کو موت نہیں آسکتی (اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اور محمد ﷺ نرے

رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے ؟ اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

یہ سننا تھا کہ سب لوگ ہوش میں آگئے، فاروق اعظمؓ بھی سنبھل گئے اور فرمانے لگے کہ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہو، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہم کو سنبھال لیا بیشک آپ قدم نبوت پر ہیں۔

امت پر سب سے بڑا نازک وقت وہی تھا جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور آپ نے اس عالم سے پردہ فرمالیا، ایسے وقت میں سب لوگوں کو سنبھال لینا بہت دشوار امر تھا، یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا مقام تھا اور انہیں کا حق تھا کہ ایسے سخت وقت میں خود بھی سنبھلے رہے اور سب لوگوں کو سنبھال لیا، حالانکہ صدیق اکبرؓ کو سب سے زیادہ محبت حضور ﷺ سے تھی، تو ظاہر ہے سب سے زیادہ رنج و غم بھی ان کو ہوا، لیکن ایسی استقامت ان کو حاصل تھی کہ خود بھی سنبھلے اور دوسروں کو بھی سنبھالا، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میری ساری عمر کی عبادت لے لی جائے اور صدیق اکبرؓ کے ایک دن اور ایک رات کی عبادت مجھے دے دی جائے تو میں بہت نفع میں رہوں گا، اس لئے کہ میری ساری عمر کی عبادت صدیق اکبرؓ کے اس ایک

رات اور اس ایک دن کے مقابل میں کم ہے، وہ رات تو ہجرت کی رات ہے جب حضور ﷺ کو صدیق اکبرؓ اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لے گئے تھے اور غار ثور کے اوپر لے جاکر حضور ﷺ کو باہر بٹھادیا اور خود پہلے اندر گئے، غار کو صاف کیا اس میں کچھ سوراخ تھے ان کو بند کیا پھر حضور ﷺ کو بلایا، آپؐ غار میں تشریف لے گئے ادھر غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے بولنا شروع کر دیا مشرکین آپ کی تلاش میں نکلے ان کے ساتھ قیافہ شناس بھی تھے وہ نشان قدم پہچاننے والے تھے چنانچہ نشانات قدم دیکھتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ غار ثور کے منہ پر لاکر کھڑا کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس سے آگے نہیں بڑھے ہیں اور اسی غار کے اندر ہیں، لوگوں نے کہا کہ اگر اس کے اندر ہوتے تو اوپر جو مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے وہ ٹوٹ جاتا، صدیق اکبرؓ گھبرا گئے اور حضور ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب! اب تو ہم پکڑے جائیں گے، اگر یہ لوگ اپنے قدموں کے نیچے دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کچھ اندیشہ مت کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، رات تو یہی تھی جس کا ذکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اور دن وہی ہے جس دن آپ کی وفات ہوئی، اس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا زبردست کارنامہ انجام دیا کہ امت کو سنبھال لیا ورنہ پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔

دوستو! کوئی بھی حال ہو توحید کو بڑی دولت سمجھنا چاہئے، انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے، سب سے زیادہ کامل

توحید ان ہی حضرات کی تھی، ابتدا میں بھی توحید ہے اور انتہا میں بھی، جس درجہ کی توحید انبیاء کے اندر ہوتی ہے دوسرے کے اندر بھلا کیا ہوسکتی ہے، وہ اپنے سارے معاملات کو اللہ کے سپرد کردیتے ہیں اور اپنے کو اللہ کے حوالے کردیتے ہیں اور تمام امور میں اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے علاوہ کسی کو کارساز نہیں سمجھتے، سب سے پہلی چیز یہی توحید ہے پھر اعمال کا درجہ تو بعد میں ہے، جب تک توحید خالص نہ ہو کوئی عمل عند اللہ مقبول اور معتبر نہیں ہوتا، یوں تو مشرکین مکہ بھی اللہ کے خالق و مالک ہونے کے قائل تھے مگر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهَ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی معبود بنائے ہوئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ”هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَاللّٰهِ“ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، مگر جب کوئی وقت پڑتا تو مدد کے لئے وہ بھی اللہ کو پکارتے تھے ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ جب ان کو موجیں گھیر لیتی تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے کہ اے اللہ آپ ہی نجات دیجئے۔

دیکھئے! مشرکین مکہ کا تو یہ حال تھا کہ جب مصیبت میں گرفتار ہوتے تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے اور جب مصیبت دور ہوجاتی تو پھر شرک

کرنے لگتے اور آج ہمارا حال دیکھئے کہ مصیبت ہی میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہتے ہیں کہ ۔

بگرداب بلا افتاد کشتی　　　مدد کن یا معین الدین چشتی

یاد رکھئے! قیامت میں ہم کو وہ مجرم گردانیں گے کہ تم نے مجھ کو اللہ کی ذات کے ساتھ کیوں شریک کیا اور اللہ کے برابر کیوں قرار دیا؟ عجب معاملہ ہے کہ مشرکین تو مصیبت میں اللہ کو پکاریں اور اس سے مدد چاہیں اور ہم غیر اللہ کو پکاریں! ہمارا معاملہ ان سے بھی بدتر ہو گیا اور جو کوئی اللہ کا بندہ اس شرک سے ان کو منع کرتا ہے تو اس سے برا بھی مانتے ہیں اور اس سے خفا ہو کر طرح طرح کے القاب سے یاد کرتے ہیں ان لوگوں کا عجب حال ہے کہ جو کفر و شرک سے روکتا ہے اسی کے خلاف فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

یاد رکھو! اللہ ہی مارنے والا ہے، اللہ ہی جلانے والا ہے، اللہ ہی روزی دینے والا ہے، اللہ ہی اولاد دینے والا ہے، اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے نفع و ضرر سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے دوسرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت جعفر صادقؓ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ آپ ہم کو اسم اعظم سکھا دیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ جو میں کہتا ہوں وہ کرو اور اس کو ساتھ لے کر دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ ہمارا نام لیتے ہوئے اس دریا میں داخل ہو جاؤ اور جعفر صادق جعفر صادق کہتے ہوئے دریا پار کر جاؤ، چونکہ وہ طالب صادق تھا اس لئے ان کے نام کا ورد کرتے ہوئے

دریا میں کود پڑا مگر جب موج کے تھپیڑوں میں پڑا اور جان پر آبنی تو سب بھول گیا اور ان کے نام کا وظیفہ چھوڑ کر اللہ اللہ پکارنے لگا، اللہ کی طرف سے نظر رحمت ہوئی اور وہ بحکم خداوندی موج کے تھپیڑوں سے خود بخود ساحل کی طرف آگیا، جب باہر نکل آیا تو پھر جعفر صادق سے درخواست کی کہ حضرت اب مجھ کو اسم اعظم بتادیجئے، انہوں نے فرمایا او نادان! تو نے اب بھی نہیں سمجھا؟ ارے جب تو موجوں میں گھر گیا تھا اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا تھا اس وقت جس دل سے اور جس قدر خلوص سے تو نے اللہ کہا تھا اسی دل سے اور اسی خلوص سے اگر پکارا جائے تو اللہ کا ہر نام اسم اعظم ہے، بس دل چاہئے اور خلوص چاہئے، اسی پر میرا ہی ایک شعر ہے ۔

خلوص دل سے پکارے اگر کوئی ان کو ہر ایک نام ہی ان کا پھر اسم اعظم ہے

اللہ کی کتاب میں اگر ہم غور کریں تو ہم کو توحید کامل حاصل ہو جائے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات جو قرآن میں مذکور ہیں اس میں ہمارے لئے کامل نمونہ موجود ہے، سب نبیوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے کامل توحید پیش کی ہے اور ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قائم فرمادیا ہے، اس کو دیکھ کر ہم سمجھ سکتے ہیں اور یہ یقین پیدا کر سکتے ہیں کہ اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے اور وہی سب کا حاجت روا ہے، چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام باوجودیکہ بالکل بوڑھے ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ﴾ اے میرے رب! مجھ کو پاکیزہ اولاد

عطا فرمائیے بیشک آپ تو دعاؤں کو سننے والے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے ایسے خلوص سے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور ظاہر ہے نبی جیسا خلوص اور دوسرا کون پیش کر سکتا ہے چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہو گئی اور منجانب اللہ یہ خوش خبری سنائی گئی ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو ملائکہ نے آپ کو پکارا کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتے ہیں جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدیٰ ہوں گے اور اپنے نفس کو لذات سے بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام جب اپنے شہر سے نکل کر جانے لگے تو راستہ میں دریا حائل تھا اس کو عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے، جب کشتی نے کسی قدر فاصلہ طے کر لیا تو ہوا کا طوفان اٹھا جس سے قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے تو کشتی والوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی خطا کار شخص ہے جس کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آ رہی ہے، حضرت یونس علیہ السلام فوراً بول پڑے کہ کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے جب تک تم اس کو دریا

میں نہ ڈال دو گے تم نجات نہ پاؤ گے، یہ سب بلائیں تم پر میرے سبب سے ہیں مجھ کو تم دریا میں ڈال دو تو تم چین سے ہو جاؤ گے، حضرت یونس علیہ السلام نہایت حسین و جمیل تھے، ظاہر ہے نبی ہی تھے نبی کے چہرے پر تو انوار کی بارش ہوتی ہے اس لئے کشتی والوں نے آپ کو دریا میں ڈالنے سے توقف کیا اور کہا کہ یہ امر بے قرعہ ڈالے طے نہیں ہو سکتا البتہ جس پر قرعہ نکل آوے گا اس کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، یہ کہہ کر انہوں نے تین دفعہ قرعہ ڈالا اور ہر دفعہ حضرت یونسؑ ہی کا نام نکلا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ سو یونسؑ بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے۔

چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام اٹھے اور اپنے کپڑے اتار کر خود کو دریا میں ڈال دیا، فوراً ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی اور اس نے آپ کو نگل لیا، روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو محفوظ رکھنا اور ان کے کسی حصہ کو مت کھانا کیونکہ یہ تمہاری غذا نہیں ہیں بلکہ تمہارے شکم کو ان کے لئے قید خانہ بنایا گیا ہے، اور جس وقت مچھلی نے ان کو نگلا ہے وہ آدھی رات کا وقت تھا پس وہ تین تاریکیوں میں تھے، ایک تاریکی شب کی، دوسری دریا کی، تیسری شکم ماہی کی، ذرا غور فرمایئے ان تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور مچھلی

والے (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ اپنی قوم سے (جبکہ وہ ایمان نہ لائی) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے (اپنے اجتہاد سے) سمجھا کہ ہم ان پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے، پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں، میں بیشک قصور وار ہوں۔

دیکھا آپ نے حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے اللہ تعالیٰ کو کس دل اور کیسے خلوص سے پکارا اور اپنے قصور وار ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ یعنی آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بیشک قصور وار ہوں۔

چنانچہ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے صحیح و سالم باہر نکال دیا، ورنہ اسی مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہ جاتے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے، مگر انہوں نے خدا کو یاد کیا، اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہے اعترافِ قصور کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب تاریکیوں سے ان کو نجات عطا فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

یعنی جس طرح یونس علیہ السلام نے مصیبت میں خدا کو پکارا اور اسی سے مدد چاہی تو ان کو نجات ملی اسی طرح جو کوئی شدائد و مصائب میں اللہ تعالیٰ کو پکارے گا ان کے سامنے گریہ وزاری کرے گا اور اپنے قصور کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی نجات عطا فرمائیں گے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی ہے کہ تکلیف و مصیبت جو اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اس کو دور کرنے کا انتظام بھی خود ہے فرمادیا ہے اور اس کو بھی اپنی طرف توجہ کا اور مناجات کا ذریعہ بنادیا، حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کر چکی ہے اور ان کی طرف منسوب ہے چنانچہ اس کو دعاء یونسی کہتے ہیں اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھ کر اپنی کسی حاجت کا سوال کرے گا وہ پوری کردی جائے گی (ترمذی شریف ابن کثیر ج/۴ ص/۵۸۹)

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے ہمارے سامنے گریہ وزاری کریں، ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور ہم سے مانگیں تاکہ ہم ان پر بخشش کریں، اسی کو ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم سے مانگو ہم دینے کے لئے تیار ہیں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

خیر کثیر کو اپنے بندے سے روکے رہتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جب تک میرا بندہ مجھ سے نہیں مانگے گا میں نہیں دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ سے مانگے تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنی سب حاجات کو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے پیش کریں اور اسی سے سب کچھ مانگیں، مگر ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر مصیبت میں دوسروں کو پکارنے لگے شرک میں مبتلا ہو گئے۔

قرآن پاک میں شرک کی بھی بحث کی گئی ہے سارا قرآن شرک کی نفی اور توحید کے اثبات سے بھرا پڑا ہے اور مشرک کی مذمت بڑے شدومد کے ساتھ کی گئی ہے لیکن اس کو کون سنتا ہے؟ اگر ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کریں کشف و کرامات کی حکایتیں اور عجیب عجیب اچنبھے کی باتیں بیان کریں تو لوگ بہت خوش ہوتے ہیں اور خوب واہ واہ کرتے ہیں اور جب اللہ کی توحید کا بیان کیا جاتا ہے تو چہرہ پر دوسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، لوگوں کو اس میں لطف نہیں آتا، چاہتے ہیں کہ اس کا بیان نہ ہو، حالانکہ توحید ہی تو اصل دین ہے، اسلام کو جو فوقیت اور برتری حاصل ہے وہ اسی توحید خالص ہی سے حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے بے نیاز ہے، اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ کوئی اس کے برابر کا ہے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ اَوْ حُرِّقْتَ" اگر تم قتل

بھی کر دیئے جاؤ اور جلا بھی دیئے جاؤ پھر بھی اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا۔

بھائی! شرک بری بلا ہے، نہ کوئی تاریخ منحوس ہے نہ کوئی دن منحوس ہے نہ کوئی مہینہ منحوس ہے، نہ کوئی چاند منحوس ہے، کسی چیز میں نحوست نہیں ہے، اللہ ہی نافع ہے اور اللہ ہی ضار ہے، نفع و نقصان سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اگر آپ آنکھ کھول کر دیکھیں تو نہ معلوم کتنی رسمیں شرک کی ہم میں آگئی ہیں شادی بیاہ میں، غمی میں، خوشی میں، جینے مرنے میں، لینے دینے میں کتنی باتیں شرک کی ہوتی ہیں لہٰذا آپ سے یہی کہتا ہوں کہ شرک سے بیزار ہو جایئے، توحید خالص اختیار کیجئے، شرک کو بالکل چھوڑ دیجئے چاہے دنیا کچھ بھی کہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا اسکا ذکر فرمایا ہے کہ تم شرک کو چھوڑ دو اور اللہ کی توحید پر آجاؤ، اللہ ہی کو معبود و مقصود بنالو، اللہ کی بندگی میں لگ جاؤ، اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جاؤ، یہی مقصود ہے فرماتے ہیں ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

اس آیت پر امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ ہے اور حنفیہ کے یہاں ثابت نہیں ہے، اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ اے ایمان والو! جس نے اللہ کو مان لیا، توحید کو مان لیا، رسولوں کو مان لیا، قیامت کو مان لیا، ملائکہ کو مان لیا، جنت دوزخ کو مان لیا، بس ایمان والا ہو گیا ان کو خطاب ہو رہا ہے

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا ﴾ کہ اے ایمان والو! رکوع کرو، اللہ کے سامنے سر جھکاؤ اور سجدہ کرو یعنی اللہ کے سامنے اپنی پیشانی اور ناک رگڑو، بندے کی معراج یہی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے اپنے کو جھکادے جب بندہ اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے اور اپنی پیشانی کو ٹیک دیتا ہے اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ قرب اللہ تعالیٰ کا سجدے کی حالت میں نصیب ہوتا ہے۔

یاد رکھو! اللہ کے سوا غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں، اپنے جیسے انسانوں کو سجدہ کرنا بالکل حرام اور کھلا ہوا شرک ہے، یہ پیشانی مؤمن کی اللہ ہی کے سامنے جھک سکتی ہے غیر اللہ کے سامنے اس کو جھکانا کسی طرح زیب نہیں دیتا، جب تک مسلمانوں نے اس کو سمجھا اس وقت تک ان کو قوت، شوکت، عزت، سب حاصل تھی اور اب تو انسان خود ذلیل ہو گیا حتیٰ کہ اپنے جیسی مخلوق کے سامنے سجدہ کرنے لگا، آپ خود دیکھ لیجئے کہ کہاں کہاں انسان سر جھکا رہا ہے، قبروں کے سامنے جھکا رہا ہے، تعزیے کے سامنے جھکا رہا ہے اپنی جیسی مخلوق کے سامنے جھکا رہا ہے، اس نے خود سے اپنی ذلت مول لی ہے کیونکہ یہ پیشانی، وہ پیشانی ہے کہ خدا کے در کے علاوہ کہیں نہیں جھک سکتی، کسی غیر کے سامنے اس کو جھکانا اس کی توہین و تذلیل ہے۔

ایک صحابیؓ نے دیکھا کہ اونٹ نے حضور ﷺ کو سجدہ کیا اس کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس سے

زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے ارشاد فرمایا کیا میرے مرنے کے بعد تم میری قبر کو سجدہ کروگے ؟ صحابی نے عرض کیا نہیں ، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تب میری زندگی میں کیوں کروگے۔

اس میں آپ ﷺ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا کہ جس کو موت آنے والی ہے وہ معبود نہیں بن سکتا، جس کو فنا ہو اس کے لئے سجدہ کیسا، سجدہ تو بس ایک ہی ذات کے لئے ہے جو حی و قیوم ہے،اس لئے اللہ ہی کے سامنے سر جھکاؤ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرو، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

عشق بامردہ نہ باشد پائدار　　　　عشق را باحی و باقیوم دار

جس کو موت آنے والی ہے اس کا عشق برقرار رہنے والا نہیں اس لئے اس ذات کے ساتھ عشق و محبت قائم کرو جو حی و قیوم ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور اپنے رب کی عبادت کرو، اس سے پہلے رکوع اور سجدہ کو علیحدہ بیان فرمایا حالانکہ عبادت میں وہ بھی شامل ہیں مگر مستقل طور پر ان کو الگ سے ذکر اس لئے فرمایا کہ رکوع اور سجدہ دونوں خاص چیزیں ہیں اور سجدہ تو عجیب چیز ہے، تمام بزرگان دین سجدے میں روتے ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی سجدے میں روتے تھے، چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ کے خلیل ہیں جب سجدے میں جاتے تو اتنا روتے تھے کہ آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا، ایک دن جبرئیل امین نے آکر کہا کہ اے اللہ کے خلیل ! آپ اتنا کیوں روتے ہیں اور اس قدر گریہ

وزاری کیوں کرتے ہیں آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنالیا پھر آپ کو اس قدر گریہ وزاری کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل جب اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو دیکھتا ہوں اور اللہ کے عذاب کو سوچتا ہوں تو خلت اور دوستی کو بھول جاتا ہوں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تو یہ حال ہے اور صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام کی یہ کیفیت ہے کہ اللہ کے خوف سے روتے ہیں اور ہم لوگ نافرمانی اور گناہ کر کے مطمئن اور بے فکر ہیں جیسے ہمارے اندر کوئی کھوٹ ہی نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخشے بخشائے ہیں، ذرا اس میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ﴾ اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدے کرو، گریہ وزاری کرو، اللہ کے سامنے اپنی پیشانی کو جھکا دو اور اپنے رب کی بندگی میں لگ جاؤ جو تم کو بنانے والا، نگرانی کرنے والا اور پالنے والا ہے، اسی نے کھانا عطا فرمایا، پانی عطا فرمایا، اسی نے ساری نعمتیں عطا فرمائیں پھر اس کو چھوڑ کر غیر کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ اے اللہ کے بندو! اللہ ہی کے سامنے جھکو اور اسی کی بندگی کرو ﴿ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ بھلے کام کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو، اچھے کام کرو، نیک کام کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ، یہ ہے طریقہ فلاح پانے کا، نافرمان قوم کبھی فلاح نہیں پاتی، جو فرماں بردار ہوتے ہیں ان کو فلاح ہوتی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ ﴿ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ مطلب یہ ہے کہ شریعت کے مطابق زندگی گذارو تاکہ تم فلاح پاجاؤ اور کامیاب

ہو جاؤ، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ جہاد کے معنی کوشش کے ہوتے ہیں، اس میں جہاد باللسان اور جہاد بالسنان سب شامل ہے، مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے دین کے لئے کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے یعنی اپنی طرف سے امکانی کوشش کرو اللہ کا دین دنیا میں اونچا ہو اور سرسبز وشاداب ہو، اللہ کا کلمہ دنیا کے اندر بلند ہو، ہماری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت عام ہو، اللہ کی توحید کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بیٹھ جائے۔

﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اللہ نے تم کو منتخب کر لیا اور چھانٹ لیا ہے، اور یہ کوئی معمولی کام نہیں جس کے لئے تم منتخب کئے گئے ہو یہ کار نبوت ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی اور مشکل نہیں بلکہ دین کو بالکل آسان فرمادیا ہے۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب میں بھی مسلم رکھا ہے، مسلم یعنی فرماں بردار، اور گردن جھکا دینے والا، اللہ کے سامنے پیشانی ٹیک دینے والا، تو جب ہم کو مسلم کہا گیا ہے تو ہم اپنے نام کی لاج رکھیں اور فرماں بردار بن جائیں ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تا کہ رسول اللہ تم پر گواہ ہوں اور تم دنیا والوں کے لئے گواہ بنو ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾

تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں دین کی اہم چیزیں ہیں، کیا نہیں معلوم کہ صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں جب بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے ساتھ جہاد کروں گا، صحابہؓ نے اس امر میں نرمی کا مشورہ دیا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ اے حضور کے خلیفہ! آپ نرمی کیجئے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں بڑے سخت تھے اور اسلام میں اتنے نرم ہو گئے؟ قسم اللہ کی جو شخص اونٹ کی ایک رسی نہیں دے گا جس کو وہ حضور ﷺ کے وقت میں دیتا تھا تو میں اس سے جہاد کروں گا اور اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو تنہا جہاد کروں گا، پھر حضرت عمرؓ اور سب ہی صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ کی تائید کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ تو مشورہ تھا ویسے ہم ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں۔

اس سے زکوٰۃ کی کس قدر اہمیت معلوم ہوئی، آج مسلمان زکوٰۃ سے غافل ہیں، حساب کر کے پوری زکوٰۃ نکالنے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں، قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی آئی ہے کہ لوگ زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے لگیں گے، ریشم کو حلال سمجھنے لگیں گے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کڑھن پیدا ہوگی، آج دیکھ لیجئے لوگوں کا کیا حال ہے کہ نمائش میں، نام و نمود میں، غیر ضروری روشنی میں روپیہ ضائع و برباد کرتے ہیں، اللہ و رسول

ﷺ کی مرضی کے خلاف جو لغویات اور فضولیات کرتے ہیں اس میں بے دریغ مال خرچ کرتے ہیں، یہ مجرم اور نافرمان لوگ ہیں، ان پر عذاب ہوگا اور ان کو جھیلنا پڑے گا، قیامت میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو مال دیا تھا اس کو کیوں ضائع کیا اور ان کا حق کیوں نہیں ادا کیا؟ اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں، فضولیات میں مال کو صرف کرنے سے بچیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ حساب کر کے نکالیں اور اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اسی کو فرمارہے ہیں کہ ﴿فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ﴾ نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ﴾ وہ تمہارا مالک ہے تو کیسا بہترین مالک اور مددگار ہے، ان الفاظ ہی میں کیسی لذت اور کیسی حلاوت ہے ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ﴾

ارے بھائی! ایسے مولیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاتے ہو؟ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان آیات پر گذر کر بھی ہمارے دل کے اندر توحید نہ آئے اور شرک میں مبتلا رہیں، اللہ کی عظمت نہ پیدا ہو، قرآن سے تعلق نہ ہو، آخرت کا یقین نہ ہو، جنت دوزخ کا یقین نہ ہو، بے فکری اور آزادی کی زندگی گذاریں۔

میرے بھائیو! اگر ہمارے اور تمہارے اور تمام مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کے سب کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ

ہمارا مولیٰ اللہ ہے، ہمارا کارساز اور ہمارا مالک و مددگار اللہ تعالیٰ ہے تو کیسی زندگی بن جائے اور زندگی کا لطف ہم کو آجائے، قربان جایئے اپنے مالک اور آقا کے اور فدا ہو جائیں حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک پر کہ آپ ہی کے واسطے سے ایسی اعلیٰ تعلیم ہم کو ملی، ہم کو قرآن ملا، ہم کو حدیث ملی، ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث موجود ہے، ہمارے سامنے سلف صالحین کی سیرت ہے اور سب سے بڑھ کر حضور اقدس ﷺ کی سوانح اور سیرت پاک ہمارے سامنے موجود ہے، پھر ہم کہاں جارہے ہیں اور کدھر بھٹک رہے ہیں اور غیر اللہ کو مقصود بنا کر کیوں شرک میں مبتلا ہو رہے ہیں؟ یہ طریقہ تو گمراہوں کا طریقہ ہے، اہل یہود و نصاریٰ نے اسی قسم کا شرک اختیار کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا نکیر فرمائی ہے اور ان کی اس گمراہی پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کریں اور شرک سے بچیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ خدا ان کو غارت کرے، یہ کدھر جارہے ہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عدی بن حاتمؓ جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے بعد میں اسلام قبول کیا اور صحابی ہیں، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نے تو اپنے علماء و مشائخ کو رب نہیں بنایا تھا پھر ان کے رب بنانے کا کیا مطلب ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب کے خلاف ان کے قول کو حجت بناتے تھے اور جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ حلال قرار دیتے اسی کو حلال سمجھتے اور جس کو حرام قرار دیتے اسی کو حرام سمجھتے اور اللہ کی کتاب اور اس کے حکم کو پس پشت ڈال دیا تھا، یہی رب بنانا ہے۔

ہم لوگ کان کھول کر سن لیں! کسی کے قول کو حجت بنانا خواہ وہ عالم ہو یا شیخ ہو کوئی بھی ہو اگر اس کا قول کتاب و سنت کے خلاف ہے تو حجت نہیں بنا سکتے، ہم بزرگان دین کو اسی لئے تھامتے ہیں کہ ہم کو اللہ و رسول کی فرماں برداری آجائے، بزرگوں کو اس طرح ماننا تو معتبر ہے باقی ان کو رب بنالینا حتیٰ کہ واقعی ان کی پرستش کرنے لگنا یہ کب جائز ہوگا؟ یہ کھلا ہوا شرک اور صریح گمراہی ہے کوئی اللہ کا ولی اور کوئی سچا عالم اللہ کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا، جو اپنی بات منوائے بھلا وہ ولی کہاں ہو سکتا ہے، سچے ولی تو وہی لوگ ہیں جو اپنی رائے کو مٹا چکے ہیں، اپنی بات کو مٹا چکے ہیں۔

ہم کو اپنے بزرگوں سے یہی ملا ہے اور ہم نے ان سے یہی سیکھا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور ان کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کر دیں ہم تو اپنی رائے اور بات کو مٹا چکے ہیں ہم تو اللہ کے محبوب ﷺ کو مانتے ہیں، قرآن و حدیث کو مانتے ہیں، اللہ و رسول ہی کو مانتے ہیں۔

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ جن کے ماننے کا دعویٰ آج بہت لوگ کرتے ہیں ان کا ارشاد سنئے! کیا فرماتے ہیں کہ ارباب میں بجز اللہ کے اور مخلوق میں بجز رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کو ہم پہچانتے ہی نہیں، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ

سے ایسا تعلق ہو جاتا ہے اور ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں تو ان کے دل میں ایک حلاوت پیدا ہو جاتی ہے اور عجیب لذت محسوس ہوتی ہے جس کو الفاظ میں نہیں بیان کیا جاسکتا اس کو تو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اس کی کچھ چاشنی ملی ہو ۔

زباں پہ بارے خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

ایک بزرگ جو متبع سنت تھے اور متبع سنت تو سب ہی بزرگ ہوتے ہیں، جو متبع سنت نہ ہو وہ بزرگ ہی کہاں ہو سکتا ہے، پھر بھی بعض حضرات کو اتباع سنت کا خاص مقام حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر خصوصیت کے ساتھ ان کے متبع سنت ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے، بہر کیف وہ بزرگ فرماتے تھے کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو ایسی مٹھاس معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے میرے منہ میں شکر بھر دی ہو۔

یہ حضرات توحید کامل اور اتباع سنت خود بھی اختیار فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے، لہٰذا اگر ہم لوگ بھی نجات وفلاح چاہتے ہیں، جنت میں جانا چاہتے ہیں، اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو توحید اختیار کریں، شرک سے اپنے کو بچائیں اور کامل طور پر متبع ہو جائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اسی کی تعلیم اپنے گھر میں دیں، اپنے بچوں کو دیں، اپنے پڑوسیوں کو دیں اور تمام مسلمانوں کو دیں کہ سب لوگ توحید پر آجائیں، شرک سے بیزار ہو جائیں، اتباع سنت اختیار کرلیں اور ان سب کو حاصل کرنے کا آسان ذریعہ اور سہل طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار

کریں، یہ سب چیزیں اللہ والوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہیں، اللہ والوں کی صحبت تریاق ہے تریاق۔

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہوگئے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ کی عمر کتنی ہے تو فرمایا تین سال، یہ سن کر لوگ ہنسنے لگے کہ بوڑھے ہو کر اپنی عمر تین سال بتاتے ہیں، کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ بات آپ کیسے فرمارہے ہیں کہ آپ کی عمر تین ہی سال کی ہے؟ تو فرمایا کہ سنو! تین سال میں اپنے شیخ مرشد کی خدمت میں رہا ہوں اسی تین سال کو زندگی سمجھتا ہوں باقی عمر کو زندگی ہی نہیں سمجھتا۔

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم نے جو کام کئے ہیں ہم کو اس پر اجر مل جائے اور آپ کے بعد جو اعمال کئے ہیں ان میں برابر برابر کا معاملہ ہو جائے تو ہم نفع میں رہیں گے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو صحابی ہیں، وہ فرماتے تھے کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے بعد بھی بہت سے کار خیر کئے ہیں اس پر بھی ہم کو اجر کی امید ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ ہمارے باپ سے زیادہ فقیہ تھے انہوں نے جو بات فرمائی وہ بہت اونچا اور بلند مقام ہے، تو بھائیو! اللہ والوں کی صحبت میں کوئی شخص جو بھی وقت گذارے در حقیقت وہی زندگی ہے کیونکہ حقیقی زندگی وہیں ملتی ہے، وہیں دل درست ہوتا ہے، دل وہیں بنتا ہے، بغیر کاملین کی صحبت کے کچھ نہیں حاصل ہوتا اور اللہ والے وہی لوگ ہیں جو کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، شریعت کے

مطابق زندگی گذارتے ہیں، خود بھی سنت پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سنت ہی کی دعوت دیتے ہیں، چاہے مخلوق ان کو برا بھلا کہے، لعن طعن کرے، کچھ بھی ہو ان کو اس کی پروا نہیں، بس وہ ایک ذات کو جانتے ہیں اور اسی سے لو لگائے ہیں اور ان کو اسی کی دھن رہتی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، ساری دنیا کے لوگ ناراض ہو جائیں تو بخدا کچھ نقصان نہیں اگر اللہ راضی ہو، اور اگر اللہ راضی نہیں تو ساری دنیا ہم کو ولی مان لے، بزرگ بنائے، اکرام و تعظیم کرے، ہاتھ چومے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ راضی نہیں تو کچھ نہیں اور اللہ راضی ہے تو سب کچھ ہے، رہا لعن طعن سننا تو یہ سب چیزیں اللہ والوں کے لئے اور حق پرستوں کے لئے اللہ کے راستے میں آتی ہیں اس کی ہمیں پروا نہیں، اس سے تو مؤمن اپنے ایمان میں اور پختہ ہو جاتا ہے، اسی کی وجہ سے وہ سب مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کر لیتا ہے اور اپنی نگاہ کو صرف ایک اللہ پر متصور کر لیتا ہے، ہماری نگاہ تو صرف اللہ پر ہے ہمیں ان کو راضی کرنا ہے انہوں نے ہم کو بنایا، وہی ہمارے مالک و خالق ہیں، وہی ہمارے کارساز ہیں، سب کچھ انہیں کے قبضہ قدرت میں ہے، وہی ہمارے مولیٰ و مددگار ہیں ﴿ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ کیا ہی اچھا ہمارا مولیٰ اور مالک اللہ ہے اور کیا ہی اچھا ہمارا معین و مددگار اللہ ہے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ سبحان اللہ سبحان اللہ! یہ کیا عمدہ وظیفہ ہے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اسی کو ورد بنا لیجئے، اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت فرمائے۔

مقامِ صحابۂ کرام

اور ان کی خشیت الٰہی

اقتباس

صحابہ کے قلوب میں اللہ کا خوف اور اللہ کی یاد اس طرح سماگئی تھی کہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے دیکھتے تھے، ان کو کسی وقت خدا کے حضور سے غفلت نہ ہوتی تھی، اور یہی زندگی کی روح ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بمقام الہ آباد (دائرہ شاہ محبّ اللہؒ) جلسہ اصلاح المسلمین میں ہوا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (پ ۴)

اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حال میں جان مت دینا، یہ قرآن مجید اور فرقان حمید کی ایک مبارک آیت ہے جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسی مجلس اور محفل میں آئیں جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہو، اللہ کے محبوب ﷺ کا ذکر ہوتا ہو، اللہ والوں کا ذکر ہوتا ہو، یہ ذکر دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، ہمارے قلوب مریض ہیں اور علماء ربانی اللہ والے طبیب روحانی ہیں، روح کا علاج کرتے ہیں، دل کے امراض کی دوا دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا جہاں کی ہدایت کے لئے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا، یہ کتنی بڑی دولت اور کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر

اپنے محبوب پر اپنی مقدس کتاب کو نازل فرمایا جو اللہ کی آخری کتاب ہے، جس طرح حضور ﷺ قیامت تک کے لئے نبی بن کر آئے ہیں، اب کوئی نبی نہ آئے گا آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری پیغام ہے دل کی دوا ہے اور روح کی شفا ہے۔

وہ لوگ جو فاقہ کرتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کھجور کی چٹائی پر لیٹتے تھے، نہ ان کے پاس محل و مکان تھا نہ وہ لکھ پتی تھے، مگر ان کے پاس سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید تھی، وہ حضرات اللہ کی توحید میں ثابت قدم تھے، اللہ کی محبت سے سرشار تھے، حضور ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کرنے والے تھے۔

یاد رکھئے! سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے اور سرور کائنات ﷺ کے ارشادات اور آپ کی سیرت پاک ہے اسی پر فلاح کا وعدہ ہے اسی میں بھلائی پوشیدہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کریں، ذرا فکر سے کام لیں، قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کریں، یہ اللہ کی کتاب ہے، ابھی ایک جگہ سن رہا تھا کوئی قاری صاحب اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ پہاڑ تو لرز جائے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور

ہمارے قلوب اس کتاب سے متاثر نہ ہوں یہ وہی کتاب ہے، جس کو اللہ کے محبوب ﷺ جب خود تلاوت فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب اس مقدس کتاب کی تلاوت کرتے تھے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی کوئی رونے لگتا، کسی کی ہچکی بندھ جاتی اور بسا اوقات بیہوش تک ہو جاتے تھے، آپ جانتے ہیں کیا بات تھی؟ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت، ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت ان کے نفوس میں حضور ﷺ کا عشق و محبت گھر کئے ہوئے تھے، وہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور اللہ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دینے والے اور جان کی بازی لگا دینے والے تھے، سچا عشق اور سچی محبت اگر دیکھنا ہو تو صحابہ کو دیکھ لو، حضور ﷺ کے عشق میں ان کا کیا حال تھا اس کو ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؂

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا

جس طرح شمع پر پروانے جان قربان کرتے ہیں اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اقدس ﷺ پر جان قربان کرتے تھے، بلکہ جان، کو مال کو، اولاد کو، عیش و راحت کو، عزت و آبرو کو سب کو قربان کرتے تھے اور اسی کی برکت ہے کہ آج ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ پڑھ رہے ہیں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اللہ تعالیٰ اپنی اس مقدس کتاب کے اندر فرماتے ہیں

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُّسْلِمُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی اور حالت میں جان مت دینا۔

ہمارے اکابر اور اسلاف جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، کتابوں میں ان کے واقعات اسی لئے لکھے گئے ہیں کہ ہم لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور جو محبت ان حضرات کو حاصل تھی اس کا ایک ذرہ بھی اگر ہم پالیں تو بڑی دولت ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں ان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اپنے مکان کی چھت پر تلاوت کر رہے تھے، قیامت کا ذکر آگیا تو ان کی عجیب کیفیت ہو گئی اور ایسا حال طاری ہوا کہ حواس بجا نہ رہے اور چھت سے نیچے گر پڑے، تھوڑی دیر میں جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات تھی تو فرمایا مجھ سے کچھ نہ پوچھو کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا تھا اس میں قیامت کا ذکر آگیا اسی کے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی، سبحان اللہ! ان کے خوف کی یہ حالت تھی۔

ایک اور بزرگ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ایک جنگل سے گذر ہوا اس میں ایک درخت کے نیچے پہنچے تو ٹھنڈی سانس لی اور سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کی یہ حالت ہوئی کہ پسینہ جاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت، آپ کی یکایک کیا کیفیت ہو گئی تھی؟ فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو، اب سے بہت پہلے جوانی

کی حالت میں اسی مقام پر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی تھی آج ضعیفی میں وہ یاد آگئی تو اللہ کے خوف سے میری یہ کیفیت ہوگئی۔

ہمارے اکابر و اسلاف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے تھے، اللہ کا خوف جس دل میں ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے، اللہ کے راضی کرنے کی فکر رکھتا ہے، یاد رکھئے! ہم نے دنیا کو راضی کیا تو کیا حاصل ؟ ہم کو تو اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے، کیونکہ جس نے اللہ کو راضی کر لیا اس نے سب کچھ پالیا اس کے لئے دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں بھی فلاح، جنت بھی اس کے لئے اور اللہ کا قرب اور اس کی رضا بھی اس کے لئے ہے۔

ہم سوچیں کہ دنیا میں ہم کیوں آئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ دنیا کے افکار و خیالات میں ہم رات دن ڈوبے ہیں لیکن ہمارے دل اس فکر سے بالکل خالی ہوگئے ہیں کہ ہمیں مر کر اللہ کے سامنے جانا ہے اور قیامت آئے گی اس دن اس زندگی کا جواب دینا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کا حکم دیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ کی ذات و صفات اور اللہ کے فرشتوں پر ایمان لائیں، اسی طرح اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم قیامت پر ایمان لائیں اور اس بات پر ایمان لائیں کہ ہم کو مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اللہ کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا حساب دینا ہے، اس کو اگر ہم بھلادیں گے تو ہم غافل ہو جائیں گے، نافرمان ہو جائیں گے اور بالکل آزاد ہو جائیں گے، ہم سب اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو

بندگی ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں۔

﴿لِیَعْبُدُوْنِ﴾ کی تفسیر "لِیَعْرِفُوْنِ" منقول ہے یعنی جن وانس کو اس لئے پیدا کیا گیا تا کہ وہ ہم کو پہچانیں۔

بندگی اور غلامی یہی ہے کہ بندہ غلام بن کر رہے اور اللہ کی مرضی میں اپنے کو فنا کر دے، اوامر کی پابندی کرے اور نواہی سے اجتناب کرے اور ہمہ وقت اللہ کے راضی کرنے کی فکر کرے، یقین جانئے کہ جو اللہ کی بندگی میں لگ جاتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور اللہ سے ڈرنے لگتا ہے اور اللہ کی محبت پا جاتا ہے اس کا کچھ اور ہی عالم ہو جاتا ہے، پھر وہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ پانے لگتا ہے، چنانچہ اسی بناء پر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینے کے اندر ہے، اگر لوگ چھیننا چاہیں تو چھین نہیں سکتے، آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کرنے سے اور اللہ کا نام لینے سے عجیب کیف، عجیب لذت، عجیب حلاوت اور عجیب سرور حاصل ہوتا ہے۔

جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب طاعت کرتا ہے، اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کی کتاب پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے مگر ہمیں ان سب کی ذرا فکر نہیں، نہ تو نور کی خبر ہے نہ ظلمت کی اور ہم کو نہ جہنم کا خیال ہے نہ جنت کا بس بے

فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، مؤمن کی شان یہ نہیں ہوتی کیونکہ مؤمن کے پیش نظر ہر وقت یہ رہتا ہے کہ ہمیں اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ اللہ کو کس طرح راضی کرے، اس لئے اس کو دوسروں کی کوئی فکر نہیں ہوتی، اگر ہم نے بھی اپنے اندر وہ فکر پیدا کر لیا تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے سارے افکار دور ہو جائیں گے، اسی فکر کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور مت مرو مگر مسلم فرماں بردار ہو کر۔

مسلمان اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکا دینے والا، فرماں برداری کرنے والا، چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور یہ وصف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دل میں اللہ کا خوف اور اس کی محبت ہو، ہم لوگ تو محبت کی حقیقت بھی نہیں جانتے، ہاں دعویٰ محبت کرنے کو ہر شخص تیار ہے، جانتے ہو محبت کسے کہتے ہیں؟ محبت نام ہے فنافی المحبوب ہو جانے یعنی اللہ کی مرضی میں فانی ہو، حضور ﷺ کی محبت میں فانی ہو، اپنی رائے کو، اپنی چاہت کو، اپنی تجویز کو، اپنی پسند کو فنا کر دے، محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت میں مؤمن کا یہی مقام ہے، اسی مضمون کا اپنا ہی ایک شعر اس وقت یاد پڑا ؎

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

مؤمن کی نظر ہر وقت محبوب پر ہوتی ہے اور وہ اسی کی نگاہ کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوں گے اور حضور ﷺ کس چیز سے خوش ہوں گے، لیکن ہم نے تو اپنی زندگی کو من مانی زندگی بنالیا ہے ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں اور من مانی زندگی کو چھوڑ دیں، فرماں بردار بن جائیں، جانتے ہو من مانی زندگی کیوں بن جاتی ہے؟ محبت کو ہم جانتے ہی نہیں محبت کیا چیز ہے۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

جب آدمی توحید کا جام پی کر مست ہو جاتا ہے تب محبت کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور مقام رسالت کی معرفت ہوتی ہے یہی وہ جام ہے جس کو صحابۂ کرام نے حضور اقدس، ساقیٔ کوثر ﷺ کے دست مبارک سے پیا، تابعینؒ نے پیا، اولیاء کرامؒ نے پیا ان سب کو مقام رسالت کی معرفت حاصل تھی۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

یاد رکھئے! محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور ان کا اتباع اتنی بڑی دولت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے اللہ کا محبوب اور اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور دار دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں کہ بندہ اللہ کا محبوب اور دوست بن جائے، صحابہ کرامؓ نے سب کچھ قربان کر کے اللہ کی اور رسول ﷺ کی محبت

کو حاصل کیا تھا پھر وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ لیکن اس کے باوجود ڈرتے رہتے تھے اور ہم بڑے سے بڑا گناہ کر کے اللہ ورسول کی نافرمانی کر کے پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور چین کی نیند سوتے ہیں اور ہنستے بولتے ہیں، ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے، آیئے! ہم آپ کو بتلائیں کہ ہمارے اسلاف کیسے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں آپ جانتے ہی ہیں کہ تمام اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ''افضل البشر بعد الانبياء بالتحقيق سيدنا ابوبكر الصديق'' ایک دفعہ صحابہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے، اور دریافت فرمایا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو یاد رکھو! خبردار! ابوبکر پر کسی کو فضیلت مت دینا اس لئے کہ آفتاب نے کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں کیا جو نبی کے بعد ابو بکر سے افضل ہو۔

یعنی صدیق اکبرؓ کی یہ شان ہے کہ تمام عالم میں نبی کے بعد سب سے افضل ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ ایک درخت پر کچھ چڑیاں چہچہا رہی تھیں آپ نے ان کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا کہ تم بہت مزے میں ہو، تمہارے لئے ثواب وعذاب، حساب وکتاب کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح فاروق اعظمؓ کو دیکھئے جن کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور جن کی رائے کے مطابق کلام پاک کی آیتیں نازل ہوتی تھیں، ان کا حال یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو غلبۂ خوف سے روتے تھے، قرآن پاک پڑھتے اور سنتے تھے تو عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک مرتبہ جبکہ رات کو پہرہ دے رہے تھے رات کے آخری حصہ میں ایک بڑھیا کے مکان سے گذرے، سویرا ہو رہا تھا، اس بڑھیا نے اپنی لڑکی سے کہا بیٹی دودھ میں پانی ملا دے، لڑکی نے جواب دیا کہ اماں تمہیں نہیں معلوم ہمارے امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع فرمایا ہے، اس نے کہا اس وقت امیر المؤمنین کہاں ہیں اور یہاں کون دیکھتا ہے؟ ذرا غور فرمایئے! لڑکی کیا جواب دیتی ہے یہی اس واقعہ کی روح ہے، وہ کہتی ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ نہیں دیکھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں، اور یہ تو بہت ہی برا ہے کہ ہم امیر المؤمنین کی اطاعت ظاہر میں کریں اور باطن میں ان کی مخالفت کریں، حضرت عمرؓ کو لڑکی کا یہ جواب بہت پسند آیا، اس مکان میں ایک نشان لگا دیا اور صبح کو اس کا پتہ بتا کر بڑھیا کو اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا کہ تم اپنی لڑکی کی شادی میرے لڑکے سے کر دو، پھر اسی لڑکی کی اولاد میں عمر ابن عبد العزیز جیسی شخصیت پیدا ہوئی جن کا دورِ خلافت خلافت راشدہ کے منوال پر سمجھا جاتا ہے اور عمر ثانی کہلاتے ہیں، دیکھئے! یہ ہے تقویٰ اور یہ ہے

اللہ کا خوف جس کا نمونہ اس لڑکی نے پیش کیا۔

صحابہ کے قلوب میں اللہ کا خوف اور اللہ کی یاد اس طرح سما گئی تھی کہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے دیکھتے تھے، ان کو کسی وقت خدا کے حضور سے غفلت نہ ہوتی تھی، اور یہی زندگی کی روح ہے، اسی کیفیت کا بیان حدیث میں کیا گیا ہے کہ "ان تعبد الله کانك تراه وان لم تکن تراه فانه یراك" یعنی نماز میں عبادت میں بلکہ اپنے ہر امر میں یہ خیال رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں، اللہ کی معیت بہت بڑی نعمت ہے اور یہ معیت اللہ کی طرف سے تو حاصل ہے ہی مگر ہم کو اس معیت کا احساس اور استحضار ہونا چاہئے، اسی سے اللہ والوں کو اطمینان اور سکون ہوتا ہے اور اپنی خلوت و جلوت میں اسی سے محظوظ ہوتے ہیں اور اسی سے وہ صحرا میں بھی گلشن کا مزہ پاتے ہیں۔

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

اگر ہم ہر وقت یہ استحضار رکھیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے تو پھر ہم سے نہ تو نافرمانی سرزد ہو اور نہ ہم گناہ کا ارتکاب کریں اور اپنے تمام حالات میں اطمینان و سکون کے ساتھ رہیں اور ہمارے اوقات فکر آخرت میں گذریں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک دوسرا واقعہ سنئے ! ایک دفعہ شدت کی دھوپ میں جب کہ گرم ہوا اور لُو چل رہی تھی، حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے مکان کے روشندان سے دیکھا کہ فاروق اعظمؓ اونٹوں کے پیچھے چلے جارہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ اتنی شدت کی لو اور دھوپ میں کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا کہ یہ اونٹ پیاسے ہیں ان کو پانی پلانے کے لئے جارہا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو غلام بھی کرلیتا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ اونٹ پیاسا رہ جائے گا تو اس کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھے گے، اس وقت میں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اتنا خوف تھا کہ اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو میں اللہ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ ہم لوگوں کو چاہئے کہ ان واقعات سے سبق حاصل کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ رات کے وقت اپنے حجرہ میں چراغ جلا کر بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے دروازہ بند تھا آپ نے آواز دی کہ دروازہ کھول دیجئے تو اندر ہی سے پوچھا کیا کام ہے؟ کچھ ذاتی کام ہے یا امور خلافت سے متعلق کوئی کام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنے ذاتی امور میں گفتگو کرنی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھول دیا اور ان کے اندر آتے ہی چراغ گل کردیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے

امیر المؤمنین! آپ نے میرے آتے ہی چراغ کیوں گل کر دیا؟ تو فرمایا کہ اے علی! یہ مال مسلمانوں کا ہے اس سے امور خلافت سے متعلق کاموں میں ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس وقت ہماری آپ کی ذاتی گفتگو ہو گی اگر اس میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا تو خیانت ہو گی۔

آج ہم سوچیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں، امانت میں خیانت کرنا اور مال کا ضائع کرنا جائز نہیں یہ اللہ کی امانت ہے، قیامت میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مال دیا تھا اس کو تم نے کہاں خرچ کیا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال ضائع کرنے پر وعیدیں نازل ہوئی ہیں، فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْراً﴾ بیشک بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

مگر مسلمان ناجائز کاموں میں تو مال خوب خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کی تعریف فرمارہے ہیں، ارشاد باری ہے ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّھَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ جو لوگ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اپنے مالوں کو رات اور دن میں پوشیدہ اور آشکارا سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس جاکر اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہ آیت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے، آج اگر ہم اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں تو کتنے کام بن جائیں، مگر افسوس کہ مراسم میں اور ناجائز کاموں میں ہمارا امال بے دریغ صرف ہو رہا ہے، کیا آپ کو جنت میں جانے کی فکر نہیں ہے؟ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے مگر اس کے لئے کچھ کرنا ہوگا تب یہ کامیابی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (پ ۲)

دوسری بات سنو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو اُن کے ہمراہ اہل ایمان تھے (بیقرار ہو کر) بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہوگی؟ (جس پر ان کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) ﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ یادرکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت جلد ہونے والی ہے۔

دیکھئے! کیسی کیسی مصیبتیں اور آزمائشیں آنے کے بعد تب نصرت کا وعدہ اور کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی، اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنا بھی بہت بڑی نعمت ہے اور آخرت کی سعادت اور ترقی کا ذریعہ ہے۔

بھائیو! ذرا سوچو اور فکر سے کام لو، من مانی زندگی چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں پیدا کرو، اپنی زندگی کو کامیاب بناؤ، اصل کامیابی یہی ہے کہ

ہم اللہ کے احکام کی پابندی کریں، حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں اور فرماں بردار بندے بن جائیں، شریعت نے دنیا کا کام کرنے سے منع نہیں کیا ہے، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، زراعت کرنا، کاروبار کرنا، کسی سے شریعت نے نہیں روکا، مگر ہاں اس کو سنت کے مطابق اور شریعت کے احکام کا لحاظ کر کے اگر کیا جائے تو وہ بھی عبادت ہو جائے، قربان جایئے سرکار دو عالم ﷺ پر کہ آپ نے ہماری عادت کو بھی عبادت بنادیا، اگر سنت کے مطابق استنجاء کریں تو وہ بھی عبادت ہو جائے۔

خواجہ حسن بصریؒ کو آپ جانتے ہیں کتنے بڑے محدث اور اللہ کے ولی تھے ان کا واقعہ ہے کہ پینے کے لئے پانی مانگا، جب پانی سامنے لایا گیا تو رونے لگے اور سامنے سے پانی ہٹادیا، آپ سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ جہنمیوں کی پیاس یاد آگئی کہ وہ پکار کر اہل جنت سے کہیں گے کہ ﴿اَنْ اَفِیْضُوا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ تم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے دے دو۔

اور ان کو پانی نہیں ملے گا، ہم بھی دیکھ لیں کہ کبھی ہم کو اس کا خیال آتا ہے کہ جہنم کا عذاب کتنا شدید ہے، نہ تو ہم جہنم کے عذاب کو سوچتے ہیں نہ جنت کی نعمتوں کو، دنیا کے مال و متاع پر تو ہم جان دیتے ہیں مگر جنت کی نعمتوں کو کبھی یاد نہیں کرتے، جنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، ہم کو چاہئے کہ ہم جنت اور دوزخ کو سوچیں، ہم مؤمن ہیں مسلم ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہے، اللہ کے سامنے جانا ہے، قیامت آئے گی، جنت و جہنم

بر حق ہے، اس لئے ہم کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں، اپنے کو بدل ڈالیں، یعنی اپنے اخلاق کو، اپنی عادات کو، اپنے کردار کو، اپنی رفتار و گفتار کو، صورت و سیرت کو اور اپنے طریقے کو اور شادی و غمی میں اپنے سب طریقے کو بدل ڈالیں اور کل چیزوں میں ہم پابند بن جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے، بس یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس کے لئے کوشش کرنا چاہئے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم بیٹھ کر سوچیں کہ یہ دنیا چھوٹ جانے والی، فانی اور مٹ جانے والی چیز ہے اور ہم کو یہ چند روزہ زندگی ملی ہے چاہے اس کو ہم کامیاب بنائیں اور چاہے برباد کر ڈالیں، مگر یہ بھی سمجھ لیں کہ خدا کے سامنے اس زندگی کا جواب دینا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے پوچھا حضرت آپ کا مزاج کیسا ہے؟ تو فرمایا اس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو جس کی زندگی گھٹتی جارہی ہے اور گناہ بڑھتے جارہے ہیں، نہیں معلوم مرنے کے بعد جہنم میں بھیجا جائے گا یا جنت میں بھیجا جائے گا۔

ہاں! میں حضرت حسن بصریؒ کے خوف کا حال بیان کر رہا تھا، ایک دفعہ وہ حدیث پڑھا رہے تھے حدیث میں ذکر آیا کہ ایک شخص جو سب سے آخر میں جہنم

سے نکالا جائے گا وہ پچاس ہزار سال جلنے کے بعد نکالا جائے گا، تو حسن بصریؒ نے فرمایا کاش کہ وہ میں ہی ہوتا کیونکہ اس کے نکالنے کا وعدہ تو ہے، دیکھئے! کتنے بڑے اللہ کے ولی ہیں مگر خوف کی یہ کیفیت ہے، فرمارہے ہیں کاش کہ میں وہی ہوتا جو پچاس ہزار سال کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا، ہمارے بڑے بڑے اکابر اور اللہ والوں کا یہ حال تھا کہ اللہ کی بندگی کر کے ڈرتے تھے، اب ہم نافرمانی کر کے بے خوف و مطمئن ہیں، آیئے ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ ہم صحیح معنوں میں پیروی کریں گے محمد رسول اللہ ﷺ کی، اگر ہم یہ کرلیں تو ہم کو سب کچھ مل جائے گا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اب دعا کرلیجئے اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا وَسَدِّدْنَا اے اللہ! ہمارے قلوب کو درست فرما، اے اللہ! ہم سب کو اپنی کامل محبت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے قلوب کا تزکیہ فرما، اے اللہ ہماری غفلتوں کو دور فرما، اے اللہ ہم سب کی اصلاح فرمادے، اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے، اے اللہ! ہم کو سچا پکا مسلمان بنادے، اے اللہ! ہم فرماں بردار بن کر زندہ رہیں اور فرماں برداری ہی پر مریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلىٰ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،

فکر آخرت

اور اس کی تیاری

اقتباس

سنئے! ہمارا دین ہر طرح کامل ہو چکا ہے اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل ہو چکی ہے، عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق، دین کے یہ پانچ اہم جز ہیں اور شریعت میں جس طرح عقائد و عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہے اور قرآن وحدیث سے اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بمقام الہ آباد (دائرہ شاہ محبّ اللہؒ) جلسہ اصلاح المسلمین میں ہوا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لَايَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ (پ۲۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس کلام ہے جو دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، ہم لوگوں کو چاہئے کہ اس پر غور کریں اور سوچیں کہ یہ زندگی ہم کو کیوں دی

گئی تھی، اس زندگی کا کیا مقصد تھا؟ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کس لئے پیدا فرمایا ہماری پیدائش سے کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جناتوں اور انسانوں کو اپنی عبادت اور بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے، (اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری معرفت حاصل کریں)

آپ جانتے ہیں کہ عبادت اور بندگی کیا ہے؟ اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گذارنا، اللہ کی مرضی کے مطابق اپنے کو بنالینا، زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے احکام کو جاری کرنا اور اللہ ہی کو راضی کرنے کے لئے سب کچھ کرنا یہی بندگی ہے اسی کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے وہاں ﴿یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ کا عنوان اختیار فرمایا ہے، اس عنوان میں بھی عجیب کیف اور بے انتہا لذت اور کشش ہے جس کو مؤمن ہی سمجھ سکتا ہے، دیکھئے! یہیں فرمارہے ہیں ﴿یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، یہاں بھی تقویٰ کا امر فرمایا ہے، اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں، ﴿یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلاَتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت میں جان مت دینا۔

ہم قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھیں، غور و فکر سے پڑھیں،

ہمارے لئے نجات و فلاح کا ذریعہ تو یہی ہے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھیں، اس کے احکام کو معلوم کریں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بنائیں، اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کی ذات وصفات پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور اس بات پر ایمان لائیں کہ مر کر زندہ ہونا ہے اللہ کے سامنے جانا ہے، زندگی کا جواب دینا ہے، بھائی سچی بات تو یہی ہے کہ آج عشق و محبت کی چنگاری ہمارے دلوں میں نہیں ہے، محبت ہی ہر چیز کو آسان بنانے والی ہے، یہ زندگی کامیاب زندگی اسی وقت بنے گی جب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت ہمارے دل کے اندر ہو اور ہم اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائیں، اللہ ہی کے لئے ہم جئیں اور اللہ ہی کے لئے مریں، آیئے! ذرا ہم غور کریں اور سوچیں کہ آج ہمارے دل میں اللہ کی محبت کتنی ہے اور اللہ کا خوف کتنا ہے؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کے قانون کو توڑتے ہیں، اللہ کے حدود سے منہ موڑتے ہیں، اللہ کے فرائض سے غافل ہیں، منکرات میں مبتلا ہیں، اگر اللہ کا خوف دل میں ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام اسی لئے دنیا میں تشریف لائے تھے کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں، اچھی باتوں کا حکم کریں اور منکرات سے منع کریں، سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید ہے یعنی اللہ کی ذات وصفات کا اقرار کرلینا اور صحیح معنوں میں اس کلمہ کی تصدیق کرنا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول

ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صحیح معنوں میں تصدیق کرنے والے تھے، انہوں نے جب اس کلمہ کا اقرار کرلیا تو ان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں، انگاروں پر لٹکائے گئے، سینے پر پتھر رکھے گئے، وطن سے نکالے گئے، بدن میں کانٹے چبھوئے گئے، طرح طرح کی مصیبتیں آئیں مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے اور اسی ایمان پر ثبات کے صلہ میں ان کے لئے بشارت نازل فرمادی گئی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَاّ تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں کہ جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ان کو استقامت حاصل ہوگئی، اس پر اٹل رہے کوئی بھی حال ہو، مصیبت آئے تو، بیماری آئے تو، فقر و فاقہ ہو تو، خوشحالی ہو تو، تنگی ہو تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر موجود اور حاضر ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں، اللہ کے در سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے، آخرت ہر وقت ان کے سامنے ہوتی ہے۔

آیئے! ہم اور آپ بھی سوچیں کہ اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر ہے یا نہیں؟ اور اللہ کا خوف دل میں ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نافرمانی

چھوڑ دے، گناہوں کو ترک کر دے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے یعنی اوامر کا امتثال کرے اور نواہی سے اجتناب کرے، جب ہماری زندگی ایسی ہو جاوے تب سمجھیں کہ ہمارے دل میں اللہ کا خوف ہے۔

بھائی سنو! گناہ سنکھیا سے زیادہ مضر ہے، روح کو مردہ بنا دینے والی چیز ہے، اللہ کی نافرمانی اور گناہ وہ چیز ہے جس سے انسان کے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو جاتا ہے، مگر ہم کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں اور اس کی کوئی فکر نہیں، ہمارے بزرگان دین اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اور اللہ کے ذکر میں اپنے اوقات صرف کرنے کے باوجود بھی روتے تھے کہ ہائے ہم سے اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی حق نہ ادا ہو سکا، اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان عبادت ہم سے نہ ہو سکی، ان کی نعمتوں کا کچھ بھی شکر ہم سے نہ ادا ہو سکا، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کو کھاتے پیتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر اللہ ہی کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور پھر بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ذرا بھی خوف ہمارے دل میں نہیں، اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں اس کو سنو! فرماتے ہیں ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟

مگر صرف زبان سے نہیں بلکہ اس کا یہ حال ہو جائے اور یہ چیز اچھی

طرح دل میں بیٹھ جائے کہ قیامت کے دن ہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، مگر ہم نے تو قیامت کو بالکل بھلا دیا اور اس دنیا کی زندگی ہی کو مقصود بنالیا ہے، ہمیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم کو مرنا ہے اور اللہ کے سامنے جانا ہے، اس زندگی کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا، اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔

نیکیاں اور برائیاں سب لکھی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی جارہی ہے۔

کیا ہم کو اس کا یقین ہے اور کبھی ہم سوچتے ہیں کہ ہم نے کتنے گناہ کئے؟ زندگی یوں ہی غفلتوں میں گذرتی جارہی ہے، خدا کا خوف دل کے اندر نہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، حرام مال کھاتے ہیں، ناجائز کام کرتے ہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف ہم چلتے ہیں اور پھر بھی مطمئن ہیں، اگر ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت ہوتی تو یہ حال نہ ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دل خوف و محبت سے خالی ہیں، محبت کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن واقعی مقام

محبت حاصل کرنا بہت مشکل ہے، محبت کے معنی فنا فی المحبوب کے ہیں یعنی اللہ کی مرضی میں اور اللہ کے محبوب ﷺ کی مرضی میں آدمی فنا ہو جائے اور اپنی رائے کو، اپنی مرضی کو اور اپنی چاہت اور پسند کو چھوڑ دے، شادی و غمی میں، لینے دینے میں، کھانے پینے میں، چلنے پھرنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، تجارت و ملازمت میں، صورت و سیرت میں، اخلاق و کردار میں، رفتار و گفتار میں، ہر چیز میں ہم نمونہ بن جائیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا، تو یہ ہے اصلی محبت اور اسی کو فنا فی المحبوب ہونا کہتے ہیں۔

یہ چند روزہ زندگی جو ہم کو دی گئی ہے یہ اسی وقت کامیاب بنے گی جب ہم تقویٰ اختیار کریں، اللہ سے ڈریں اور نافرمانی کو چھوڑ دیں۔

حضور ﷺ کے خوف کا کیا حال تھا کہ جب تیز ہوا چلتی اور آندھی آتی تو آپ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے، صحابہؓ پوچھتے کہ حضور! آپ کا یہ کیا حال ہوتا ہے تو فرماتے کہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے، اسی طرح بادل کو دیکھ کر گھبراتے اور جب پانی برسنے لگتا تو خوش ہو جاتے تھے، یہ تو حضور اقدس ﷺ کے خوف کا حال تھا اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خوف کا حال سنئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ رات کو عبادت کرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور فاروق اعظمؓ بھی رات کو نماز میں قرآن پڑھتے اور روتے تھے، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی حال تھا کہ

رات رات بھر اللہ کی بندگی میں گذارتے تھے، صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کا بھی یہی حال تھا کہ ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی تھی، وہ اللہ سے ڈرتے تھے اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے تھے، ہماری زندگی من مانی زندگی ہو کر رہ گئی ہے، جو نفس کہتا ہے اور جو جی چاہتا ہے وہی ہم کرتے ہیں، ایسی زندگی کس کام کی؟ زندگی کامیاب تو جبھی ہوگی جب ہم اللہ سے ڈریں اور یہ دیکھ بھال لیں کہ ہم نے کل کے دن کا یعنی قیامت کا کیا سامان کیا ہے؟ ہم نے اگر مال و دولت جمع کیا، کاروبار کیا، محل و مکان بنایا، سب کچھ ہم نے مہیا کر لیا تو منع یہ بھی نہیں ہے اچھا کیا لیکن ہم کو یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حال میں نہ بھولیں، قیامت کو نہ بھولیں، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اور نفس کو، خواہشات سے روکے گا تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

اس لئے ہم کو چاہئے کہ نفس کی بات نہ سنیں کیونکہ نفس برائی کی طرف لے جاتا ہے، آیئے ہم سوچیں کہ آج ہماری یہ کیفیت کیوں نہیں ہے؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت صحیح معنوں میں نہیں رہ گئی ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　　مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

عشق و محبت کی چنگاری ہمارے دل کے اندر ہو تو اللہ کی نافرمانی سے ہم کو روک دے، یاد رکھئے! جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو بغیر عمل صالح

کے چین نہیں آتا اس وقت اپنا ہی ایک شعر یاد آیا ؎

کمالِ عشق تو مر مر کے جینا ہے، نہ مرجانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

یہ بڑے مبارک جلسے ہیں اور علماء کا بیان بہت عمدہ چیز ہے لیکن بھائی ہم یہ بھی سوچ لیں کہ ہم کو سننا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرنا ہے، اپنی زندگی کو بدلنا ہے، آج ہم اسراف بے جا کرتے ہیں، مال کو اللہ کی مرضی کے خلاف خرچ کرتے ہیں، قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، کس طرح مال حاصل کیا اور کس طرح اڑایا؟ ہم اپنے مال کو من مانی خرچ کرنے والے نہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف مال کو خرچ کرنا جائز نہیں، اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ بیشک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی مرضی کے خلاف ناجائز کاموں میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ شیطان کے بھائی بند ہیں، پس ہم کو اگر اللہ تعالیٰ مال دے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کو خرچ کریں، حساب کر کے اس کی زکوٰۃ نکالیں، کار خیر میں صرف کریں، مساجد کی تعمیر میں، بیواؤں بیکسوں یتیموں کی مدد میں خرچ کریں، دینی مدارس کی خدمت میں حصہ لیں، یہ مدارس دین کی حفاظت کے قلعے ہیں ان کی حفاظت بہت ضروری ہے، ان کی خدمت کرنا تمام

مسلمانوں کے ذمہ ہے، بھائی! اللہ کا ذکر کرنا اللہ کو یاد کرنا اور دین کے کاموں میں مشغول رہنا یہی تو زندگی ہے، حدیث میں آتا ہے اور بہت موٹی سی بات ہے جو ہر ایک سمجھ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے جو کچھ کھالیا وہ مٹی ہو گیا اور تم نے جو پہن لیا وہ چیتھڑا ہو کر گھورے پر گیا اور تم نے جو چھوڑ دیا وہ تمہارے وارثوں کا ہے تمہیں بھول کر یاد کریں یا نہ کریں، مطلب یہ کہ تمہارے لئے تو بس وہی ہے جو تم اپنی زندگی میں کر جاؤ گے۔

بھائی، یہ مال چھوٹ جانے والا ہے، یہ دولت مٹ جانے والی ہے، یہ زندگی فنا ہو جانے والی ہے، یہ محل و مکان سب یہیں رہ جانے والے ہیں، اگر ہم اس کو سوچا کریں اور قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قیامت کے دن کو یاد کریں تو ہماری حالت بدل جائے، اللہ کا خوف پیدا ہو جائے، دنیا اور اس کے ساز و سامان میں دل نہ لگے، ہمارے اکابر کا یہی حال تھا، ان پر ہر وقت اللہ کا خوف طاری رہتا تھا، اس لئے ان کو کسی حال میں چین نہیں رہتا تھا، وہ قیامت کے دن کو اور وہاں پیش آنے والی چیزوں کو ہر وقت یاد رکھتے تھے اسی بناء پر وہ ساری ساری رات جاگ کر اللہ کی عبادت میں گذار دیتے تھے، اللہ کے نیک بندوں کا یہی حال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعاً وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً ا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (پ۲۱) یعنی ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ

اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں، (مطلب یہ کہ ایمان والوں کی یہ صفات ہیں) سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کے اعمال نیک کا صلہ ملا ہے۔

دیکھئے! اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ عشاء کی نماز بھی جماعت سے پڑھتے ہیں اور پھر تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں، حضور ﷺ ایک دفعہ تہجد کی فضیلت بیان فرمارہے تھے تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے محبوب! ہم کاروبار کرتے ہیں کھیتی باڑی میں رہتے ہیں اس لئے رات کو تھک کر سو جاتے ہیں پھر فجر ہی کے وقت آنکھ کھلتی ہے لہٰذا ہم تہجد نہیں پڑھ سکتے پھر اس کی فضیلت ہم کو کیسے حاصل ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے آدھی رات عبادت میں گذار دی اور جس نے پھر فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے پوری رات عبادت میں گذاری۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ اسرارہم اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد اپنے اصحاب میں نظر کی ایک شخص کو نہ پایا تو دریافت فرمایا کہ آخر فلاں شخص کیوں نہیں آئے؟ حاضرین نے عرض

کیا کہ وہ اکثر شب میں بیدار رہتے ہیں ممکن ہے کہ اس وقت ان کو نیند آ گئی ہو تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمام شب سوتے رہتے اور صبح کی جماعت میں حاضر ہوتے تو اس سے کہیں بہتر ہوتا۔

سبحان اللہ! قربان جایئے اس لطف و کرم پر کہ تھوڑی سی محنت پر اجر کثیر عطا فرماتے ہیں اور اس سے فرض با جماعت کی اہمیت بھی کس قدر معلوم ہوتی ہے، البتہ فرائض کے اہتمام کے ساتھ اگر کوئی رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر روئے گڑگڑائے، گریہ وزاری کرے تو اس کا لطف کچھ اور ہی ہے اور اس کی مستقل فضیلت ہے، مولانا رومؒ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے در کوئے بے خواباں گذر

اے بیٹے آج کی رات نیند کو چھوڑ دو اور ایک شب بیداروں کی گلی میں گذر و اور ان کا حال دیکھو۔

بعض لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے، اللہ معاف کرنے والا ہے، تو بیشک ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، اللہ عفو کریم ہے لیکن اللہ کے قانون کو بھی تو دیکھنا ہے، اللہ کی آیات کو بھی تو سامنے رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

قریب ہونے کے لئے محسن و نیکو کار ہونا ضروری ہے اور محسن کون لوگ ہیں؟ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَ کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ وہ لوگ اس سے قبل دنیا میں نیکو کار تھے وہ لوگ رات میں بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ محسن وہ لوگ ہیں جو رات کو کم سوتے ہیں، اللہ کی بندگی میں، تہجد پڑھنے میں، قرآن کی تلاوت میں رات گذارتے ہیں، روتے اور گڑگڑاتے ہیں اور صبح ہونے لگتی ہے تو استغفار کرتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی شان کے لائق مجھ سے عبادت نہ ہو سکی، بھائی دیکھو! اگر کوئی عبادت کر کے غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے اور تکبر کرنے لگے تو اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور نافرمان تو اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہی ہے اور اگر نافرمانی اور گناہ کے بعد ندامت پیدا ہو، آدمی نادم اور شرمندہ ہو، روئے اور معافی مانگے تو اللہ کی رحمت سے قریب ہو جاتا ہے، بندہ جب نادم ہو اور سچی ندامت اس پر طاری ہو کہ آنسو بہہ پڑیں تو اس میں بھی ایک حلاوت ہوتی ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا ؎

تسلی ہم گنہگاروں کو بھی اب ہو گئی حاصل
بجھا دیں گے جہنم کو یہ آنسو ہیں ندامت کے

وہ آنسو جو گناہوں پر ندامت اور اللہ کے خوف کی وجہ سے نکلتا ہے وہ

جہنم کو ٹھنڈا کر دے گا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو آنسو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، ایک تو وہ آنسو جو اللہ کے خوف میں نکل پڑتا ہے اور دوسرے وہ آنسو جو اللہ کی محبت میں نکلتا ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ان کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے اور آدمی جب اپنے گناہوں پر نادم ہو اور اپنے کو درست کر لے تب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لیے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

یہ نہیں کہ ہم شرک و کفر کرتے رہیں، نافرمانی کرتے رہیں، نمازیں قضا کریں، روزے نہ رکھیں، زکوٰۃ نہ ادا کریں، سود میں مبتلا ہو جائیں، اللہ کے قانون کو توڑیں، اللہ کی حدود سے تجاوز کریں، اللہ کو ناراض کرنے والی سب چیزیں اختیار کئے رہیں، ان کو چھوڑنے کا ارادہ بھی نہ کریں اور پھر یہ کہیں کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، پھر تو قرآن کے نازل کرنے کا مقصد ہی پورا نہ ہوا کیونکہ قرآن تو اسی لئے نازل کیا گیا ہے کہ جو اس کو مانے گا اس کے احکام کے مطابق عمل کرے گا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا اور نجات و فلاح پائے گا اور

جو کوئی اس کو نہ مانے گا اس کے مطابق عمل نہ کرے گا وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا اور اس کو عذاب دیا جائے گا، پس اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے گناہوں کا ترک اور سچی توبہ ضروری ہے، یہ نہیں کہ عملاً تو گناہوں پر اصرار کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا رہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، ایسا جری اور بے باک تو مستحق عقوبت ہے نہ کہ مستحق رحمت، حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً﴾ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ توان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (کہ کس نے دل سے توبہ کی) حکمت والے ہیں (کہ دل سے توبہ نہ کرنے والے کو فضیحت نہیں کرتے) اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (پس نہ تو ایسوں کی توبہ قبول) اور نہ ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے، ان لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا (یعنی عقوبت

دوزخ) تیار کر رکھی ہے۔

پس ہم کو چاہئے کہ گناہوں کو ترک کریں اور دل سے توبہ کریں اور پھر جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور فرماں برداری اختیار کریں اور اپنے دل کو ایسا بنالیں کہ جیسے پیاسے کو پانی کے بغیر چین نہیں آتا اور بھوکے کو بغیر کھانے کے قرار نہیں آتا اسی طرح بغیر اللہ کی عبادت اور طاعت کے ہم کو چین وقرار نہ آوے، اور پھر دل میں یہ تڑپ پیدا کر لینے کے بعد بھی نظر اپنی طاعت پر نہ رکھیں بلکہ اللہ کے رحم وکرم ہی پر نظر رکھیں اور یہی سمجھتے رہیں کہ نجات تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے ہوگی، ہمارے اعمال بھلا ان کی شان کے لائق کہاں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس طرح مچھلی پانی کے اندر رہتی ہے اور اس کی زندگی پانی ہی میں ہے اگر اس کو باہر نکال دیا جائے تو تڑپ تڑپ کر ختم ہو جاوے گی، اسی طریقہ سے روح کی غذا اللہ کا ذکر اور آخرت کی فکر ہے، اگر یہ ذکر وفکر اس کو نہ دیا جائے تو روح مردہ ہو جائے گی، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو اپنے جسم کی تو بڑی فکر ہے اور کھا کھا کر اس کو خوب موٹا کرتے ہیں، اور اس کی بڑی حفاظت کرتے ہیں لیکن روح کو بھوکا رکھتے ہیں اور دل کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، اللہ کا ذکر ہی دل کی دوا اور روح کی غذا ہے، ہم کو چاہئے کہ اللہ کو یاد کریں، قرآن مجید خود بھی پڑھیں اور اپنے بچوں کو پڑھائیں اس کی تلاوت کا اہتمام کریں اور قرآن مجید پر عمل کر کے اپنی زندگی

کو کامیاب بنائیں اور اس دن کو یاد کریں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے قیامت کے دن کے لئے کیا سامان کیا ہے اور وہاں کے لئے کیا جمع کیا ہے؟ آگے فرماتے ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ان کی شان تو یہ ہے کہ جو خطرہ قلب میں گذرتا ہے اس کو بھی وہ جانتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

آیئے! ہم اس بات کا عہد کریں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے اس پر عمل کریں گے اور صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے جو گردن جھکا دینے والا اور "کیوں میوں" "اگر مگر" کو چھوڑ دینے والا ہوتا ہے، مؤمن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ ورسول ﷺ کے احکام میں اپنی رائے شامل کرنا چاہے اور کہنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا اور ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کا اختیار کسی مؤمن کو نہیں دیا گیا، پس ہم اپنی رائے کو اپنے اختیار کو، اپنی پسند کو، اپنی مرضی کو چھوڑ دیں اور شریعت و سنت کو پیشوا بنائیں، شادی و غمی میں جو خلاف شریعت مراسم ہوتے ہیں ان کو ترک کردیں اپنے مال کو ضائع نہ کریں، اسی مال کو کار خیر میں صرف کریں، نیک کام میں لگائیں تاکہ آخرت میں کام آوے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی نے ایک گٹھلی کھجور کی اللہ کی راہ میں نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں اور

قیامت کے دن وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گی، خلوص کے ساتھ کار خیر میں مال خرچ کرنے کا بڑا اجر ہے، مؤمن کا مال اسی طرح خرچ ہونا چاہئے اور اس مال کو اللہ کی عطا سمجھ کر ان کی مرضی کے مطابق صرف کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو یہ بھی مستحضر رکھنا چاہئے کہ یہ مال اللہ کا عطا کیا ہوا ہے ہم اس کے خرچ کرنے میں خود مختار نہیں ہیں۔

اور ایمان بالغیب یہ ہے کہ اللہ کو نہیں دیکھا، جنت کو نہیں دیکھا، جہنم کو نہیں دیکھا، فرشتوں کو نہیں دیکھا لیکن ان سب کا یقین رکھتے ہیں، ایمان بالغیب ہی تو اصل شئی ہے، اگر کسی کو ایمان بالغیب حاصل ہو جائے تو پھر کیا کہنا، صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد اسی لئے ہے کہ وہ ایمان بالغیب میں قدم نبوت پر ہوتا ہے، صدیق کا مقام یہ ہے کہ اگر آج ان کے سامنے جہنم و جنت حاضر کر دی جائے تو پہلے سے جتنا یقین ان کو حاصل ہے دیکھنے سے اس میں کچھ زیادتی نہ ہو، اتنا یقین ان کو بغیر دیکھے ہی حاصل ہو جاتا ہے، بھائی! ہم کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور یہ غور کرنا چاہئے کہ ہمارے دلوں میں امراض تو نہیں ہیں، ہم خود دیکھ لیں کہ وہ مریض جو کسی مرض میں مبتلا ہو اور اس کو اپنے مرض کی اور اس کے علاج کی کچھ فکر نہ ہو، طبیبوں کے پاس نہ جائے اور پرہیز

نہ کرے، دوا نہ کرے ایسا مریض بہت خطرے میں ہے، اسی طرح ہم امراض روحانی میں مبتلا ہیں اگر اس کی فکر نہ کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ امراض جسمانی کی تو ہم کو کچھ فکر بھی ہے اس کے لئے ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں، طبیبوں کے پاس جاتے ہیں، علاج کرتے ہیں، پرہیز کرتے ہیں کڑوی دوائیں پیتے ہیں تاکہ ہم کو شفا ہو جائے، مگر حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے قلوب میں روحانی امراض بھرے ہوئے ہیں، کہیں حسد ہے کہیں کینہ ہے، کہیں بغض ہے کہیں تکبر ہے، کہیں حب جاہ ہے، کہیں حب مال ہے، ان رذائل سے دل کو پاک کرنے کی ہم کو ذرا بھی فکر نہیں، حالانکہ یہ وہ امراض ہیں جن کا نقصان دنیا ہی تک محدود نہیں آخرت کو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ اور ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو۔

لہٰذا ظاہری و باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، پھر دیکھو دل میں کیسا نور پیدا ہوتا ہے، اللہ کی بندگی اور اطاعت سے، ذکر و تلاوت سے دل میں ایسا نور پیدا ہوتا ہے اور ایسی لذت و حلاوت ملتی ہے جو کسی چیز میں نہیں، ذرا جا کر اللہ والوں سے پوچھو کہ ان کو کیا مزہ ملتا ہے اور کیسی لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، ارے ان کو تو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے، بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینوں میں ہے۔

سنئے! ہمارا دین ہر طرح کامل ہو چکا ہے اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل

ہو چکی ہے، عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاق، دین کے یہ پانچ اہم جز ہیں اور شریعت میں جس طرح عقائد و عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہے اور قرآن وحدیث سے اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی نے چھ رتی مال دوسرے کا ناجائز طریقے سے لے لیا یا غصب کر لیا تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سات سو نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوادیں گے، صفائی معاملات بڑی زبردست چیز ہے، چاہئے کہ ہمارے آپس کے معاملات شریعت کے مطابق ہوں، نہ ہم کسی کا حق ماریں، نہ کسی کا مال بغیر اجازت صرف کریں، اور اس کا اہتمام اسی وقت پیدا ہوگا جب کہ اللہ کا خوف دل میں ہو، اصل چیز خوف ہی ہے، جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے جب ہی معاملات کی صفائی کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور معاشرت و اخلاق بھی درست کرنے کی فکر ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت جب دل میں آجاتی ہے تو آدمی کے لئے جان و مال سب کچھ قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے، یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب کچھ قربان کر دیا، ہم ان کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہو کہ وہ کیسے تھے اور ان کا کیا مقام تھا۔

میں تو بیان سے بالکل معذور ہوں مریض اور کمزور ہوں مگر میرے محترم قاری ودود الحی صاحب نے اور ہمارے محترم و مکرم مولانا ابوالوفاء صاحب مدظلہ نے (اللہ ان کو شفا عطا فرمائے) حکم فرمادیا اس لئے کچھ کہنے پر

مجبور ہو گیا ورنہ تو سچی بات یہ ہے کہ میں بیان کرنے کے قابل نہیں ہوں مگر خیر! اللہ کے حکم سے جو کچھ ہو سکے گا بیان کروں گا بلکہ بیان کر ہی چکا اب تو ختم کرنے جا رہا ہوں۔

ہاں! یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دیکھنا ہو تو صحابہؓ کی زندگی کو دیکھ لیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سب کچھ قربان کر دیا اور واقعی محبت کا اصلی نمونہ پیش کر دیا، محبت تو محبوب کی مرضی میں مر مٹنے کا نام ہے اور اس کا اصلی رنگ صحابۂ کرام ہی نے پیش فرمایا، مسلمان کی اصلی شان کیا ہونی چاہئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش نظر کیجئے، اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ اِنَّ صَلوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لاَ شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

مسلمان وہی ہے جو اللہ ہی کے لئے جئے اور اللہ ہی کے لئے مرے، من مانی زندگی چھوڑ دے، اللہ کا خوف پیدا کرے، اللہ کا ذکر کرے اللہ کی محبت قلب میں پیدا کرے، اور جانتے ہیں یہ سب چیزیں کہاں سے حاصل ہوں گی اور یہ دولت کہاں ملے گی؟ اللہ والوں کے پاس جانے سے اور اہل اللہ کی صحبت

اختیار کرنے سے یہ سب کچھ حاصل ہوگا، بزرگان دین کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے، اہل اللہ کی صحبت سے انسان کا دل سنور جاتا ہے، قلب کی دنیا بدل جاتی ہے، اسی بنا پر بڑے بڑے اکابر علماء بزرگان دین کے پاس جاتے تھے اور اپنے قلوب کا علاج کراتے تھے اور شفا پاجاتے تھے، اور ان کے قلوب پاک وصاف ہو جاتے تھے، وہ اللہ والے ہو جاتے تھے، اللہ کے دوست بن جاتے تھے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے دلوں میں جو امراض ہیں ان کی ہم فکر کریں اور اللہ والوں کے پاس جاکر ان کا علاج کریں اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ لاَتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے اولیاء وہ لوگ ہیں جن کا ایمان کامل ہے، اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، وہ متقی اور پرہیزگار ہیں، کبائر سے بالکل اجتناب کرتے ہیں صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر بشریت سے خطا ہو جاتی ہے تو سچی توبہ کرتے ہیں، دل سے نادم ہوتے

ہیں، اللہ سے معافی مانگتے ہیں، روتے گڑگڑاتے ہیں، توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں حالانکہ توبہ کی منزل بڑی سخت منزل ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی گھاٹی کو بہت سخت پایا، سچی توبہ بہت مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر اس کے بعد اپنی زندگی کو تبدیل کردے، عمل صالح اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے اور اپنی نظر کو اپنی پسند کو، اپنی رائے کو چھوڑ دے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کا خوف اپنے دل کے اندر پیدا کرے، تھوڑا وقت نکال کر کبھی کبھی کسی اللہ والے کی مجلس میں جائے، ان کی صحبت میں بیٹھے پھر خود ہی دیکھ لے گا کہ اس کے دل کی دنیا بدلتی ہے یا نہیں، آج ہمارے دل میں آخرت کا یقین نہیں، خدا کے سامنے پیشی کا استحضار نہیں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے؟

یہ صرف زبان سے کہنے سننے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ کیفیت اور حال طاری ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، ہم کچھ نیکی کرلیں قیامت میں نیکیاں ہی کام آویں گی اور کوئی چیز کام نہ آوے گی، اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب یہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہے اور ایمان والوں کو بھی اسی کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اس میں شامل ہونا چاہتے ہو تو اس کی شرط کو بھی پورا کرو، یعنی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروگے خیر امت میں شامل نہیں ہو سکتے، تم دنیا جہان کے لئے نمونہ بنا کر کھڑے کئے گئے ہو تو نمونہ بن کر دکھلاؤ، تم خود بھی اوامر کی پابندی کرو دوسروں کو اس کا حکم کرو اور خود بھی نواہی سے بچو اور دوسروں کو بھی بچنے کی تاکید کرو، اس امت کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ خود معروف کو اختیار کرے اور اس کا سارا کام اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق ہو اور معروف میں اپنے کو فنا کردے، اسی طرح منکرات سے بچے اور اس کو سوچے کہ گناہ کرنے سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، امم سابقہ پر اسی وجہ سے طرح طرح کا عذاب آیا، کسی پر پانی کا عذاب آیا اور غرق کردیئے گئے، کسی پر آگ برسادی گئی جل کر ختم ہوگئے، کسی کی صورت بدل دی گئی آدمی سے بندر اور خنزیر بنادیئے گئے۔

آج کون سا گناہ ہے جو ہم نہیں کررہے ہیں؟ آپ مانیں یا نہ مانیں مگر واقعہ یہی ہے کہ آج عام طور سے ہم لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں اور پھر بھی مطمئن اور بے فکر ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا خوف ہمارے دل سے نکل گیا ہے، میں اپنے لئے خود کہتا ہوں کہ وہ خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا جو ہمارے اکابر میں تھا، وہ قرآن سن کر لرز جاتے تھے، اللہ کے خوف سے

کانپنے لگتے تھے، اور مؤمن کی یہی شان ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ بس ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

ان صفات کو ہم اپنے اندر پیدا کریں، اللہ کا خوف اللہ کی محبت پیدا ہو جائے تو سارا کام بن جائے، مسائل کو علماء سے سیکھیں اور پوچھ پوچھ کر عمل کریں بزرگان دین نے تصوف کی تعریف اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ اس کو جائز وناجائز کی فکر پیدا ہو جائے، یعنی یہ فکر پیدا ہو جائے کہ کون سی چیز جائز ہے کہ ہم اس کو کریں اور کیا چیز ناجائز ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں، سبحان اللہ ! کیسی جامع تعریف ہے، ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے اندر وہ فکر پیدا کریں، ہر مسلمان کو یہ فکر پیدا کرنی چاہئے اور ہر شخص اس کا مکلّف ہے خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا

بوڑھا، ہر ایک میں یہ فکر ہونی چاہئے کہ اس کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھے اور اس کا سب وقت اللہ کے قانون کی فرماں برداری میں گذرے، اللہ کی کتاب پر عمل کرے اور رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل کرے اس کی زندگی ایسی بن جائے کہ اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف کرنے پر اس کو ندامت ہو خدا کا خوف پیدا ہو جائے، قیامت کا یقین ہو جائے، اللہ سے ڈر جائے، پھر دیکھئے کیا سے کیا بن جائے، سب سے بڑی کامیابی تو یہی ہے کہ قیامت کے دن عذاب جہنم سے بچ جائیں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ مگر آج ہمارے دلوں میں نہ جہنم کا خوف باقی رہا نہ جنت کا شوق باقی رہا، اگر ہے تو مبارک ہو نہیں ہے تو رونے کا مقام ہے، روئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ! ہم کو اپنی محبت دے، اپنا خوف دل میں ڈال دے، نافرمانی سے بچنے کی ہم کو توفیق دے، ہم دین کے لئے نکلیں دین کا کام کریں دین کی تبلیغ کریں لوگوں کو دین کی طرف بلائیں تھوڑا وقت اللہ کی راہ میں نکالیں اس ماحول سے نکلیں اللہ والوں کے پاس جائیں پھر دیکھیں کہ دل کی دنیا کیسی بدل جاتی ہے، ارے بھائی! یہ دنیا مٹ جانے والی، فنا ہو جانے والی اور چھوٹ جانے والی ہے، فانی سے کیا دل لگانا؟ اصل دولت باقی ہے، صحابہ و تابعین کا، ہمارے بزرگان دین کا یہی حال تھا کہ آخرت کا ان کو یقین تھا، آخرت ہی کے لئے وہ اعمال اختیار کرتے تھے اور خلوص سے کرتے تھے، بزرگان دین کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہے، اللہ کی بندگی ہے پھر بھی روتے اور ڈرتے رہتے ہیں، ہم لوگ نافرمانی کر کے ہنستے ہیں کھا پی کر مست ہو کر سو جاتے ہیں اللہ کو راضی کرنے کی

کوئی فکر نہیں کوئی پرواہ نہیں، بھائی؟ ایسی زندگی تو نہایت خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو آپ سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم دین پر عمل کریں۔

یا اللہ! ہم سب کو آخرت کا، جنت کا، جہنم کا یقین دے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما، طاعات کی توفیق عطا فرما، منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرما، معروف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! جو ہم نے سنا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اس زندگی میں پھر یہ جلسہ دیکھنا اور علماء کرام کے مواعظ کا سننا ہم کو نصیب فرما، علماء آئیں اور ہم کو اللہ و رسول کی باتیں سنائیں، اے اللہ! ہمارے دل میں خوف ڈال دے اور اپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اے اللہ! ہم کو شفاء جسمانی و روحانی عطا فرما، اے اللہ! اسلام کو سرسبز رکھ، اے اللہ اسلام کو بلند رکھ، اپنے کلمہ کو بلند رکھ، یا اللہ! ہم کو دین کی خدمت کا جذبہ اور شوق عطا فرما، اے اللہ! ہم سب کی زندگیوں میں تبدیلی فرما، یا اللہ! ہم آپ ہی کے لئے جئیں اور آپ ہی لئے مریں، یا اللہ! ہمارے اندر ذوق و شوق خلوص و محبت پیدا فرمادے، اے اللہ ہماری جو زندگی گذر گئی اس کے تقصیر کی تجھ سے توبہ کرتے ہیں، معافی چاہتے ہیں اور جو زندگی باقی رہ گئی ہے اس میں ہم سب کو توفیق دے کہ حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں، یا اللہ! ہم سب کو قبول فرمالے آمین ثم آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلىٰ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب

اقتباس

جس کو اللہ کی طلب ہو جاتی ہے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے اس کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی ہے، دنیا مٹ جانے والی چیز ہے آخرت باقی رہنے والی ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں اور طاعت سے خوش ہوتے ہیں، ہم دن رات اپنے دلوں کو دیکھتے رہیں اللہ کی نافرمانی سے بچیں فرماں بردار بن جائیں ہر کام جو کریں سنت کے مطابق کریں اور خلاف سنت ہر گز ہر گز نہ کریں۔

حضرتؒ کا یہ بیان یکم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶/اپریل ۱۹۸۹ء کو حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کے مکان ۷۰۴/بخشی بازار الہ آباد میں بموقع مجلس خاص خواتین کے مجمع میں ہوا بیان کے بعد بیعت کی مجلس بھی ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اس وقت جو میری کیفیت ہے جو مولانا نے بیان فرمایا میں بالکل سچ کہتا ہوں میں نے دل سے سنا اور میرے اوپر بہت زیادہ اثر ہوا، بھئی ایک چیز ہے سننا اور دوسری چیز ہے عمل کرنا سننا بھی بہت بڑی بات ہے اس سے بڑی چیز ہے اطاعت و عمل سمعنا و اطعنا، آخرت کا یقین ابھی سنا آپ نے جہنم اور جنت کا یقین، یہ دنیا فانی اور دنیا مٹ جانے والی ہے اور فنا ہو جانے والی ہے چند روزہ زندگی کی بہار کس کام کی بہار اور عیش و عشرت جنت میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے اللہ پاک کا دیدار ہو گا جنت میں،

دیکھو! موسیٰ علیہ السلام نے یہاں درخواست کی تھی "اے اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں" تو تجلی ہوئی اور پہاڑ جل گئے، اللہ پاک کا دیدار ہو گا جس کو اللہ کی طلب ہو جاتی ہے اللہ سے محبت ہو جاتی ہے اس کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی ہے دنیا مٹ جانے والی چیز ہے آخرت باقی رہنے والی ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں اور طاعت سے خوش ہوتے ہیں، ہم دن رات اپنے دلوں کو دیکھتے رہیں اللہ کی نافرمانی سے بچیں فرماں بردار بن جائیں ہر کام جو کریں سنت کے مطابق کریں اور خلاف سنت ہرگز ہرگز نہ کریں۔

بس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اتنا بڑا کرم و احسان ہے کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کون شمار کر سکتا ہے کوئی نہیں کر سکتا، لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ یہ جان جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہے خوش قسمت ہیں وہ عورتیں اور مرد جو بیان سننے آتے ہیں، جمع ہوتے ہیں، اور ان کا ہر قدم جو اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ان پر پڑتی ہے، بھئی سنیں اور اس کے ساتھ پھر عمل کا ارادہ کر لیں اور عمل انسان خود بھی کرتا ہے کر سکتا ہے مرد ہو یا عورت، جنہیں اللہ والوں کے پاس جانے کی توفیق ہو جاتی ہے اور عمل کرنے لگتا ہے اس کو کسی چیز میں لذت نہیں ملتی کھانا ہے، پینا ہے سب ہے لیکن نماز میں جو مزہ و لذت ہے قرآن پاک میں جو لذت ہے بڑے بڑے بزرگان دین قرآن پاک کی جب تلاوت کرتے تھے تو گریہ طاری ہو جاتا تھا اور روتے تھے۔

حضور ﷺ تہجد کی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی ایک جگہ حضور ﷺ تہجد پڑھ رہے تھے اس آیت پر ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اس آیت کو آپ بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

قرآن پاک میں اس قدر لذت ہے اگر دل ہمارا پاک ہو جائے، دل جو ہے ہمارا وہ دل بن جائے صحیح معنوں میں، اس میں کینہ نہ ہو بغض نہ ہو تکبر نہ ہو

حسد نہ ہو، ابھی آپ نے سنا مولانا نے فرمایا۔

بھئی دل میں کیا ہو؟ دل دل بن جائے یعنی اللہ کی محبت پیدا ہو جائے اس کے اندر اللہ تعالیٰ اور پھر اللہ کے رسول پاک ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے اور اللہ والوں کی محبت پیدا ہو جائے تب کچھ کامیاب ہے۔ زندگی گھٹتی جارہی ہے روز، صبح شام گھٹتی جارہی ہے ایک بزرگ تھے وہ جارہے تھے کسی نے سوال کیا: حضرت کہئے کیا حال ہے؟ دیکھئے اس کو کہتے ہیں خوف، فرمایا کہ اس کا کیا حال پوچھتے ہو جس کے پیچھے ملک الموت لگے ہوئے ہیں، اسے معلوم نہیں کہ مر کے جنت میں جائے گا یا جہنم میں بھیجا جائے گا، جس کے گناہ بڑھتے جارہے ہیں اور نیکیاں کم ہیں اس کا کیا حال پوچھتے ہو!

تو صحیح طریقے سے ہم دن گذاریں پھر رات کو غور کریں، میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ جب رات کو سب چیزوں سے فارغ ہو جائیں اور بستر پر جائیں تو سوچیں سمجھیں حساب لیں کہ آج کا دن ہمارا کیسا گذرا؟ کتنی ہم نے نیکیاں کیں اور کتنے ہم سے گناہ ہوئے اگر نیکیاں زیادہ ہوئیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر گناہ زیادہ ہوئے تو روئیں اور معافی مانگیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے، اور کوشش کریں کہ کل انشاءاللہ ایسا نہ ہوگا کل اس کے خلاف کریں گے، نیکی ہی کام آئیگی۔

جب اللہ کا خوف دل میں آجاتا ہے، خوف و محبت دو چیزیں ہیں دونوں اللہ کو بہت پسند ہے ایک خوف سے آنسو نکل آنا ہے، سنی کوئی بات اور آنسو

نکل آیا اللہ کے خوف سے، یہ آنسو جہنم کو سرد کر دیگا اور اللہ تعالیٰ اس کو پیار کریں گے محبت کریں گے۔

ہم لوگ غفلت میں ہیں غافل ہیں یعنی کام بھی کرتے ہیں مگر اس کی روح ہمارے دل میں نہیں ہے، عبادت کی روح جو ہے وہ کیا ہے اللہ کے ساتھ اس کا تعلق قوی ہو اور صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں زبان چلتی رہے، کام کرتے رہیں مگر زبان پر اللہ کا نام اور دل میں اس کا خیال رہے۔

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ دنیا تو قلیل ہے کچھ بھی نہیں ہے اور آخرت تو ہمیشہ رہنے والی اور باقی رہنے والی چیز ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دل میں ڈال دیا اور روزانہ صبح بیان ہوتا ہے اور آپ لوگ جمع ہوتی ہیں بڑی بات ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

تو بھئی اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اس کا قدم اٹھتا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سنے اللہ کی یاد دل کے اندر پیدا ہو، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرے، یہ دنیا مٹ جانے والی ہے آخرت کام آنے والی ہے ہمیشہ ہمیش ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ اور اس میں داخل ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، جنتی لوگوں کو خطرہ لگا رہے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیج دیں جنت سے نکال کے تو ان کو مطمئن کر دیا جائے گا کہ ہمیشہ رہو جنت کے اندر کبھی ایسا نہ کیا جائے گا، جو جنت میں داخل ہو گیا بس وہی کامیاب ہے۔

جہنم سے پناہ مانگنا چاہئے، بزرگان دین رویا کرتے تھے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے، روتے تھے اور تڑپتے تھے ہم لوگ نافرمانی اور گناہ کر کے بھی سست ہیں جہاں تک ہو قرآن پاک کی تلاوت کریں، اللہ کا ذکر کریں، کلمہ شریف پڑھیں اللہ کا نام لیں لَآاِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ نفی اثبات اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں ﴿وَالذّٰاکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰاکِرَات﴾ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ ان کی مغفرت کردی جائیگی اور جنت میں داخل ہوں گے آپ لوگ واقعتاً جنت کی طرف جارہی ہیں اللہ کی بات سننے کے لئے جمع ہوجاتی ہیں، حضور ﷺ کی بات سننے کے لئے جمع ہوجاتی ہیں، بزرگان دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہوجاتی ہیں اور اس کو سنیں ماشاءاللہ یہ بہت بڑی نیکی ملی ہے آپ کو بہت بڑی صحبت ملی ہے اور پھر اس کے ساتھ اللہ سے توبہ اور دعا بھی کریں کہ یااللہ جو سنا ہے ہم نے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

حضرت بی بی رابعہ بصریہ جو ہیں ایک عورت ذات اور نہایت اللہ کی ولی اور بہت زیادہ بزرگ تھی وہ کہتی تھی یااللہ رات کو لمبی کردے

جاگنا ہو تو جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

زندگی چند روزہ ہے جاگنا ہے تو جاگ لے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا نفل کا پڑھنا، تہجد کا پڑھنا، قرآن کا پڑھنا، کلمہ شریف کا پڑھنا، اللہ کے ذکر

میں مشغول رہنا شریعت کا قانون ایسا ہے سارا کام عبادت بن گیا، ہر چیز عبادت بن گئی، اللہ کی مرضی کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا جب اللہ راضی ہو گیا تو سب کچھ مل گیا، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنادی ﴿رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی، بس اس سے بہتر اور کوئی بھی نہیں اور اگر اللہ ناراض ہو گیا دنیا اگر ساری راضی ہو گئی تو نقصان ہی نقصان، دنیا ناراض ہو جائے کوئی پرواہ نہیں اللہ راضی ہو اللہ کے رسول پاک ﷺ راضی ہوں وہ کیسے راضی ہوں؟ شریعت و سنت کے مطابق عمل کرے، شادی میں غمی میں اور جو بھی حالات پیش آتے ہیں تمام معاملات میں سنت اور شریعت کے مطابق عمل کریں، خلاف شرع کام نہ کریں اور اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کریں اللہ تعالیٰ معاف فرمادینے والے ہیں۔

تو بھئی زندگی چند روزہ ہے کیا ٹھکانہ ہے اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم اللہ کی یاد میں لگے رہیں اللہ کے ذکر میں لگے رہیں اور دنیا کے کاروبار سب کچھ کریں بس سارا کام بن جائے گا۔

بھئی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے میں بولنے سے بالکل معذور ہوں لیکن میں آیا تو کچھ نہ کچھ بولنا پڑا، بہت اچھا آج کا بیان سن کر میری عجیب کیفیت ہوئی میرے اوپر جو اثر ہوا میں بیان نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل عطا فرمائے جو سنتے ہیں اس سے دل میں اثر ہو اور عمل کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ

ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرماوے اور اللہ ہم سب سے راضی ہو جائے اور ہمارا ایمان پر خاتمہ ہو، لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ .

ایمان پر خاتمہ ہو بزرگان دین رویا کرتے تھے، خواجہ حسن بصریؒ بہت بڑے محدث بہت بڑے اللہ کے ولی ہیں، بہت رویا کرتے تھے، تڑپتے رہتے تھے بہت زیادہ روتے تھے لوگوں نے پوچھا حضرت آپ کیوں روتے ہیں کیا گناہوں کی وجہ سے؟ فرمایا نہیں میں خاتمہ کے خوف سے روتا ہوں ایمان پر ہمارا خاتمہ ہو اس خوف سے میں روتا رہتا ہوں، ہم لوگوں کو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ایمان پر خاتمہ ہو "تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِی بِالصّٰلِحِیْن" یہ دنیا چند روزہ ہے مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہے ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی﴾ دنیا قلیل ہے فانی ہے مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی چیز ہے، اے اللہ ہم سب کو جو حاضر ہیں اس وقت اور جو غائب ہیں ان کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، ہم سب کو اپنی محبت عطا فرما اور حضور ﷺ کی محبت عطا فرما، اللہ والوں کی محبت عطا فرما اور اللہ پاک اپنے ذکر کی اور فکر کی توفیق عطا فرما، ہماری زندگی کامیاب ہو جائے بس! رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیعُ الْعَلِیْمُ ، لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، دعاء کرو اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائے۔

بیعت بعد مجلس

مسعودہ خاتون، صدیقہ خاتون، آمنہ خاتون بنات حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب، عارفہ خاتون بہو حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب، و والدہ اکبر خاں صاحب جالیوالے۔

پڑھئے جو میں پڑھ رہا ہوں: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنْ لَآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتی ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، ایمان لائی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کل کتابوں پر اور اس کے کل فرشتوں پر قیامت کے دن پر تقدیر پر دوزخ پر اور جنت پر، یا اللہ! میں توبہ کرتی ہوں کفر سے شرک سے بدعت سے اور تمام گناہ کبیرہ سے اور صغیرہ سے، یا اللہ! میں عہد کرتی ہوں کہ جہاں تک ہوگا شریعت کے مطابق عمل کرونگی اور خلاف شرع باتوں سے پرہیز کرونگی، یا اللہ! توفیق عطا فرما، میں

بیعت ہوئی ہوں بزرگان دین کے چاروں سلسلے میں نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، ان چاروں سلسلے میں میں نے بیعت کیا آپ قبول فرمالیں اور ہم سب کو اپنی محبت عطا فرمائیں اور حضور ﷺ کی محبت عطا فرمائیں، اور بزرگان دین کا فیض و برکت ہم سب کو نصیب فرما اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! ہم سب کو اپنا بنالے اور ہم سب سے راضی ہو جا۔

لَآاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

نسخہ رضاء الٰہی

اقتباس

افسوس! کیا بتاؤں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ غفلت طاری ہے اور غفلت چھائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر الله﴾ یعنی تم کو تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے، غفلت ام الامراض ہے، اس لئے بیدار ہو جاؤ، جاگو اس سے پہلے جگائے جاؤ، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کرو، ہم کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے آخری یادگار بیان جو حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کے مکان پر بموقع مجلس خاص (خواتین) ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۳ر اپریل ۱۹۹۱ء کو ہوا تھا۔ ضبط و ترتیب محمد عبداللہ قمرزمان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی مہربانی اور کرم و احسان ہے کہ ہمارے حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب نے اس مجلس کو قائم کیا، بس اللہ نے دل میں ڈال دیا جسکی وجہ سے کیسی کیسی باتیں ہم سن رہے ہیں، یہ اسلئے تاکہ ہمارے دل میں اس کا اثر ہو جب اثر ہو گا تو دل کی حالت بدل جائے گی، دوسری ہی حالت ہو جائے گی، اللہ اور رسول ﷺ کی اگر یہ باتیں دل میں اثر کر جائیں اور اس کے بعد عمل کی توفیق ہو جائے تو یہی کامیابی ہے

زندگی گھٹتی جارہی ہے

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا حضرت! آپ کا کیا حال ہے؟ (وہ اللہ کے ولی تھے، بہت بڑے عالم تھے) فرمایا اس کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی زندگی گھٹتی جارہی ہے اور گناہ بڑھتے جارہے ہیں، اسے نہیں معلوم کہ مرکے جہنم کی طرف جائے گا یا جنت کی طرف، دیکھئے! اتنے بڑے ولی، مگر خوف کا یہ حال تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزائے خیر دے۔

خیر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو یہ توفیق عطا فرمائی

جس کی وجہ سے یہ مجلس قائم ہوئی جس سے مرد بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، عورتیں بھی فائدہ اٹھا رہی ہیں، آپ لوگ سنیں اور سن کر عمل کریں، عمل بڑی چیز ہے، بس یہ مجلس ایک بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کے دل میں ڈالا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزادے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

نافرمانی اور گناہ سے طاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے

یہ کیسا مبارک مہینہ آیا تھا، اللہ والے روتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! یہ مبارک مہینہ پھر عطا فرما، اس کے تین عشرے ہیں حدیث میں ہے کہ "اوله رحمة واوسطه مغفرة وآخره عتق من النيران" یعنی پہلا عشرہ رحمت کا ہے اور دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے اور آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے، اس ماہ مبارک میں اللہ کی رحمت کی بارش ہوتی ہے، یہ مبارک مہینہ ہے اس کی رعایت کریں، گناہوں سے بچیں، نافرمانی اور گناہ کے بعد طاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت، طاعت اور ذکر میں وہ لذت ہے کہ اللہ اکبر! اسے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے!؟

معرفت رب اور خشیت رب دونوں ضروری ہے

دیکھیں! ہمارا کیا حال ہے؟ اپنے کو دیکھ لیں، دل ٹٹولیں، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت دونوں ضروری ہے، اللہ کا خوف دل کے اندر آجائے تو پھر وہ نافرمانی سے بچے گا، امم سابقہ پر جو عذاب آئے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے

آئے، کوئی بندر بنادیا گیا، کوئی خنزیر بنادیا گیا، کوئی زمین میں دھنسادیا گیا، کسی پر آگ برسادی گئی، یہ سب نافرمانی کا نتیجہ ہے، جہاں تک ممکن ہو نافرمانی سے بچیں، اللہ سے توفیق مانگیں۔

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کریں

یہ مبارک مہینہ اب جارہا ہے خدا جانے پھر ملے نہ ملے (۱) زندگی کا کیا ٹھکانہ ہے، اس مبارک مہینہ میں بھی ہم نے اگر اپنے آپ کو نہ بدلا اور ہماری حالت جیسی کی تیسی ہی رہی تو افسوس کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا بنالے اور ہم سے راضی ہوجائے، حضور اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے ﴿رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی ہوگئے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، تو بھائی! اللہ کو راضی کرنے کی فکر کریں اور اس کی صورت یہی ہے کہ نافرمانی سے بچیں اور فرماں بردار بن جائیں۔

غفلت ام الامراض ہے

افسوس! کیا بتاؤں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ غفلت طاری ہے اور غفلت چھائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن

(۱) قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید! حضرتؒ کی زندگی کا یہ آخری رمضان تھا بلکہ آخری بیان تھا اس لئے کہ اس کے بعد اتنا طویل بیان نہیں فرمایا اس کے بعد آپ اپنے رب حقیقی سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون حق تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائیں۔

ذکر اللہ ﴾ یعنی تم کو تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے، غفلت ام الامراض ہے، اس لئے بیدار ہو جاؤ، جاگو اس سے پہلے کہ جگائے جاؤ، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر عمل کرو، ہم کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

دین کی طرف تشویق وترغیب

یہ جو مجلس ہو رہی ہے بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر جانیں اور زیادہ سے زیادہ مرد و عورت آکر ان بیانوں کو سنیں اور فائدہ اٹھائیں، میرا دل معترف ہے کہ اللہ نے مولانا کے دل میں ڈال دیا جس کی وجہ سے یہ مجلس ہو رہی ہے، یہ ایک عظیم نعمت ہے، اس لئے اللہ کا شکر ادا کرو۔

دوستو! بزرگو! مولانا کے لئے دعا کرو، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ آپ دین اور قرآن وحدیث کی باتیں بتاتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، اللہ آپ کو صحت وسلامتی سے رکھے۔

یا اللہ! تو ہماری دعاؤں کو قبول فرمالے اور سب کے سب اللہ کے خاص بندے بن جائیں، نافرمانی چھوڑدیں، اللہ راضی ہو جائے، بس اسی فکر میں رہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں سے اور نافرمانی سے ناراض ہوتے ہیں، اور فرماں بردار بن جانے سے راضی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہم

کوشش اور فکر کریں، بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور اپنا بنالے اور راضی ہو جائے۔

یہ مبارک مہینہ جارہا ہے "و آخرہ عتق من النیران" رمضان کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے، سبحان اللہ! ایسی ایسی نعمتیں ہم کو ملیں پھر بھی ہم ناشکری کریں! اور کفران نعمت کریں! اللہ تعالیٰ ہمیں شکر کی توفیق دے، ہم سب کو اپنا بنالے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نافرمانی سے بچائے اور اپنا فرماں بردار بنالے، اپنا خوف دل میں ڈال دے، ہم سب کو اپنی محبت عطا فرمائے، ہمارے دل میں وہ نور آجائے جس سے اللہ تعالیٰ دکھلاتا ہے، اپنا بنالیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور یہ مجلس ایسی ہی قائم رہے اور ہم سب کو فائدہ پہنچتا رہے، یا اللہ! قبول فرمالے (آمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

چند زریں نصیحتیں اور جامع دستور العمل

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ یہ زرین نصیحتیں جی چاہا کہ اس کتاب "روح البیان" حصہ اول کا اختتام بھی مرشدی و مولائی حضرت اقدس پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے دست مبارک سے تحریر کئے ہوئے ایک مضمون پر کیا جائے جس کو عارف باللہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ایک مسترشد کی درخواست پر ایک روز قلم برداشتہ خود تحریر فرمادیا تھا، بلا شبہ یہ مضمون ہر طالب آخرت کے لئے ایک بہترین دستور العمل ہے ہم سب کو چاہئے کہ بطور وظیفہ و شجرۂ مسلسلہ اس کو پڑھا کریں اور ان بیش بہا نصائح کو حرز جان بنائیں۔

وھو ھذا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ پاک کی توحید پر قائم رہیں، سنت کی پابندی کریں، خلاف شریعت اور خلاف سنت کوئی کام نہ کریں، حضور اقدس ﷺ کے حکموں پر پابندی سے عمل کریں، اللہ پاک کی نافرمانی سے بچیں اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے فوراً سچے دل سے توبہ کریں، اللہ پاک اور حضور ﷺ کی مرضیات پر عمل کریں، تقویٰ اختیار کریں، حرام سے پرہیز کریں، حلال روزی حاصل کر کے کھائیں، اللہ کا

ذکر کرتے رہیں، خوب عاجزی سے گڑگڑا کر اللہ پاک سے دعا مانگیں، اللہ سے ڈرتے رہیں۔

اللہ کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمت کو سوچا کریں، اس سے اللہ پاک کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کی محبت بزرگان دین کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی مجلس میں حاضری دیا کریں، کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق پیدا کرنا بھی بہت ضروری ہے، اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جو مومن کامل اور متقی ہیں، شریعت مقدسہ اور سنت مطہرہ کے مطابق عمل کرتے ہیں، پس جو شخص خلاف شریعت عمل کرتا ہے وہ ہرگز بزرگ اور ولی نہیں ہے، دھوکہ نہ کھائیں۔

تمامی معاملات میں شریعت و سنت کے مطابق عمل کریں، شادی و غمی وغیرہ میں کوئی بات خلاف شریعت ہرگز نہ کریں، چاہے کوئی بھی ناراض ہو جائے اس کی پرواہ نہ کریں، بس اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے راضی کرنے کی فکر کریں، صفائی معاملات کا خاص خیال کریں اور اخلاق کی درستگی کا بھی اہتمام کریں، اللہ کے ذکر میں جہاں تک ہو سکے مشغول رہیں۔

باجے گاجے سے بالکل پرہیز کریں، شرک و بدعت کے قریب نہ جائیں، شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں اور بدعت سراسر ضلالت اور سب سے بڑی معصیت ہے لہٰذا ہرگز ہرگز ان کے قریب نہ جائیں، بدعتی کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، نماز نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ نفل، نہ فرض، کچھ بھی مقبول نہیں،

دین میں جو نئی نئی باتیں ایجاد کی گئی ہیں ان کے قریب ہرگز نہ جائیں، بس حضور ﷺ کی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہیں، انشاءاللہ فلاح دارین حاصل کرلیں گے، اللہ راضی ہو جائے گا اور جس سے اللہ راضی ہو گیا، اس کو سب کچھ مل گیا اور جس سے اللہ ناراض ہو گیا وہ سب کچھ کھو بیٹھا، اسے دین ودنیا میں خرابی اور خسارہ کے علاوہ کچھ نہ ملے گا، سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، بس تعلق مع اللہ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

مسائل کو علماء ربانی سے پوچھتے رہیں اور پوچھ پوچھ کر اس پر عمل کریں، اپنی مرضی اور تجویز سے کوئی کام نہ کریں، قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہیں، درود شریف اور استغفار کی کثرت کریں، موت کو کثرت سے یاد کریں اور موت کا مراقبہ کرتے رہیں۔

دنیا کو بالکل معتبر نہ سمجھیں، اکثر کو بچپن ہی میں اور بہتوں کو جوانی میں موت آجاتی ہے اور بعضے بڑھاپے تک پہنچ جاتے ہیں مگر تمام عمر دنیا کا دھندا ختم نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن سوائے دین اور تقویٰ کے کوئی چیز کام نہیں آوے گی، وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے تھے بلکہ وہاں صرف تقویٰ کام آئے گا، واجبات کو ادا کرنا اور محرمات، مکروہات ومشتبہات کو ترک کرنا اسی کا نام تقویٰ ہے اس کا اہتمام رکھیں اور جس جگہ

دینی ودنیوی دونوں مصلحتیں جمع ہوں وہاں دینی مصلحت کو مقدم رکھیں، جو شخص دینی مصلحت کو مقدم رکھتا ہے دنیا بھی تقدیر کے موافق اس کو مل جاتی ہے، اور جو شخص دنیا کی مصلحت کو مقدم رکھتا ہے تو دنیا بھی اس کو ہاتھ نہیں آتی۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا خاص اہتمام کریں ان کو تلف نہ ہونے دیں اس لئے کہ حق تعالیٰ تو خود رحیم وکریم ہیں اور پھر ان کے دربار میں انبیاء کرام اور پیران عظام شفاعت بھی کریں گے، اس لئے ان کے حقوق میں تو عفوودرگذر کی امید ہے لیکن حقوق العباد کا معاملہ بہت اہم ہے ان کی مغفرت نہیں ہوگی، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ۔

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کچھ دوسری نصیحتیں جو دین ودنیا کے لئے مفید ہیں

وہ یہ کہ اپنی بیوی بچوں، نوکر چاکر اور رعایا و ماتحت میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ وہ خوش ہوں اور محبت رکھیں اور ان کے ساتھ اس قدر اخلاق و مروت اور غمخواری وحسن سلوک برتیں کہ وہ لوگ بجان ودل تمہارے گرویدہ ہوجائیں، ان سب کے باوجود اگر کوئی شخص محض اپنے حسد کی وجہ سے تم سے ناخوش ہو تو وہ معتبر نہیں۔

اپنے بڑوں کو ادب وفرمانبرداری اور خدمت گذاری سے راضی رکھیں مگر جس چیز میں وہ لوگ معصیت کا امر کریں اس میں ان کی اطاعت ہرگز نہ

کریں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ" حق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اور اپنے عزیزوں، بھائیوں اور دوستوں، ہم نشینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اخلاص و محبت اور غمخواری و تواضع کے ساتھ رہیں، ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آئیں، ہر مسلمان سے سلام کرنے میں پیش قدمی کریں۔

دنیا چند روزہ ہے، دنیوی معاملات کی وجہ سے آپس میں قطع تعلق نہ کریں کیونکہ کوئی گھر اسی وقت برباد ہوتا ہے جب اس میں رہنے والے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔

بس ان نصیحتوں پر عمل کریں، اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے بچنے کا اہتمام کریں، خود بھی نیک بنیں اور دوسروں کو بھی نیک بنانے کی سعی کریں، اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ
وَالنِیَةِ وَالْهُدٰی ، اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی
عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِیْنَ، بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

بحمد اللہ تمّ